

ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ایک بہترین رسالہ

اہتمام و شوریٰ

افاضات

مسیح الامۃ حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صبا رحمۃ اللہ علیہ

از اکابر خلفاء

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صبا تھانوی قدس سرہ

خصوصاً

مشورہ کے فوائد	مہتمم و پرنسپل صاحبان کے لئے
مشورہ کے احکامات	مدرسین کے لئے
اہل شوریٰ کی صفات	معلمین کے لئے
امیر و ذمہ دار کی صفات	اساتذہ کرام کے لئے
اطاعت امیر کی حکمت	انتظامیہ کے لئے
ان جیسے اہم امور پر مشتمل	ائمہ کرام کے لئے
ایک نایاب کتاب	کمپنی والوں کے لئے

عیدِ نظر ثانی شدہ ایڈیشن

ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ایک بہترین رسالہ

ایستقامت و شجاعت

(افاضات)
مسیح الامۃ حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب ثروانی رحمۃ اللہ علیہ
از اکابر خلفاء
حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

- نصوصاً
- مہتمم و پرنسپل صاحبان کے لئے
 - مہتمم و پرنسپل صاحبان کے لئے
 - معلمین کے لئے
 - معلمین کے لئے
 - اساتذہ کرام کے لئے
 - اساتذہ کرام کے لئے
 - انتظامیہ کے لئے
 - انتظامیہ کے لئے
 - ائمہ کرام کے لئے
 - ائمہ کرام کے لئے
 - کمیٹی والوں کے لئے
 - کمیٹی والوں کے لئے
- مشورہ کے فوائد
مشورہ کے احکامات
اہل شوریٰ کی صفات
امیر و ذمہ دار کی صفات
اطاعت امیر کی حکمت
وغیرہ ان جیسے اہم امور پر مشتمل
ایک نایاب کتاب

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
NEW DELHI-110002

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب

اہتمام و شوریٰ

افادات: مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان شروانی
از اکابر خلفاء: حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

قیمت: ۳۰/- روپے

صفحات: ۱۰۰

طبع اول: ۲۰۰۵ء

بہائم

محمد ناصر خان

Name of the book

IHTIMAAM WA SHU'RA

By: **Maulana Muhammad Maseehullah Khan**

1st Edition: **2005**

Pages: 100

Price: **Rs. 30/-**

Size: 23x36/16



فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Corp. Off.: 2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2
Phones: 23247075, 23289786, 23289159 Fax: 23279998 Res.: 23262486
E-mail: farid@ndf.vsnl.net.in Websites: faridexport.com, faridbook.com

Printed at: Farid Enterprises, Delhi-6

نہر سنت و شریعت

صفحہ	عنوان
۷	عرض ناشر
۹	تاثرات — حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
۱۹	تاثرات — حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب
۲۲	تمہید
۲۶	شروع مقصد
۲۶	شوریٰ کے معنی
۲۸	اولی الامر کون لوگ ہیں؟
۲۹	ابن کثیر کا قول
۲۹	حضرت شیخ الحدیث سہانپوریؒ کی رائے
۳۰	ملاحیون کی رائے
۳۱	لفظ امیر اصطلاح شریعت میں عام ہے
۳۲	مولانا فتح محمد صاحب تائبؒ کی رائے
۳۳	اطاعت امیر کن امور میں واجب ہے
۳۴	ایک عام مغالطہ کا ازالہ
۳۶	دین حسن انتظام میں سب سے اعلیٰ ہے

صفحہ	عنوان
۷۹	❖ دوسرا واقعہ
۸۰	❖ تیسرا واقعہ غزوہ احزاب
۸۲	❖ چوتھا واقعہ
۸۳	❖ پانچواں واقعہ
۸۴	❖ تنفیذ امر میں طعن و تشنیع کی پروا نہ کرے
۸۵	❖ مفضل کو فاضل پر امیر مقرر کیا جاسکتا ہے
۸۶	❖ بشرط صلاحیت عزیز معتمد کو منصب دیا جاسکتا ہے
۸۸	❖ حضرت ابو بکرؓ کا تعامل
۹۰	❖ دوسرا واقعہ
۹۱	❖ نمونہ عمل
۹۲	❖ تیسرا واقعہ
۹۲	❖ حضرت عمرؓ کا تعامل
۹۳	❖ اہل شوریٰ کا تعین ضروری نہیں
۹۳	❖ مروجہ جمہوریت کی عقلی خامیاں
۹۵	❖ اہل شوریٰ کی صفات
۹۷	❖ اہل شوریٰ کی صفات کا خلاصہ
۹۷	❖ امیر و ذمہ دار کی صفات
۱۰۳	❖ امیر و ذمہ دار کی صفات کا خلاصہ
۱۰۴	❖ کن امور میں مشورہ لیا جائے

صفحہ	عنوان
۳۷	❖ ایک عیسائی کے اسلام لانے کا واقعہ
۳۸	❖ اول الامر کو صرف سلاطین و حکام میں منحصر کرنا درست نہیں
۴۰	❖ سفر میں ایک کو امیر بنانے کی حکمت
۴۱	❖ محل مشورہ کون سے امور ہیں؟
۴۲	❖ مشورہ لینا مستحب ہے یا واجب
۴۶	❖ حق تنفیذ صرف امیر کو ہے
۵۰	❖ دستور غیر شرعی
۵۰	❖ ایک غلط فہمی کا ازالہ
۵۵	❖ اطاعت امیر کی حکمت
۶۰	❖ مہتمم سے اپنی مرضی کے موافق چاہنا غلط ہے
۶۰	❖ جدال و نزاع شان اہل علم کے بالکل خلاف ہے
۶۲	❖ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کا ارشاد گرامی
۶۳	❖ صحابہؓ کا تخطیہ ناجائز اور بعض اہل قلم کی غلطی
۶۳	❖ عظمت صحابہؓ
۶۴	❖ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ارشاد گرامی
۶۸	❖ ایک ضروری تنبیہ
۷۰	❖ اُمت کے نگار کا علاج
۷۱	❖ اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در باب مشاورت
۷۳	❖ پہلا واقعہ صلح حدیبیہ
۷۴	❖

عرض ناشر

چھوٹے سے گھر کا انتظام ہو یا کروٹوں کی آبادی والے ملک کا، کسی چھوٹے سے دکان کے چند ملازمین کا یا کسی بین الاقوامی کمپنی کے لاکھوں ملازمین کا، چپڑاکی ہو یا ڈائریکٹر، چوکیدار ہو یا مدرسہ کے مہتمم یا اسکول کے پرنسپل صاحب، مسجد کا خادم ہو یا مسجد کے صدر صاحب کوئی بھی شعبہ ہو کیسے ہی افراد ہوں اگر اپنے امور مشورہ سے طے کرتے ہیں اور امیر کی اطاعت میں چلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپس میں سچی محبت پیدا فرمادیتے ہیں حتیٰ کہ مینیجر اور کلرک کے دل جڑ جاتے ہیں۔

اگر گھر میں بیوی اپنے امور خانہ داری میں شوہر اور بچوں سے مشورہ کرے اور گھر کے امیر یعنی شوہر کے فیصلے کو اپنا فیصلہ سمجھے اسی کے مطابق عمل کرے۔ شوہر بیوی اور جوان بچوں سے مشورہ کرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھتے ہوئے اور بیوی بچوں کو اپنے اعتماد میں رکھے تو وہ گھر دنیا ہی میں جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح مدرس، ٹیچر، مہتمم اور پرنسپل کی اطاعت نہ کریں، بلکہ ہر استاد اپنی رائے اور اپنے فیصلہ ہی کو حرف آخر سمجھے باوجودیکہ پرنسپل نے سب سے رائے لے کر فیصلہ کیا لیکن جس کی رائے کے خلاف فیصلہ ہوا وہ یا تو پرنسپل اور ان کے معاونین اساتذہ کی غیبت شروع کر دے، یا طلباء کو ان کے خلاف بھڑکائے (وغیرہ وغیرہ) تو یہ سب اجتماعی ناقابل معافی جرم ہے، اور یہ معاملات کے اندر خیانت عظمیٰ ہے، ہاں اگر آپ کسی ادارہ میں آتے ہیں اور آپ کا مزاج ان سے نہیں مل پاتا تو سال کے اخیر میں یا معاہدہ کی شرائط کے موافق ”ہذا فراق بینی و بینک“ کے تحت آپ استعفاء نامہ پیش کر سکتے ہیں، لیکن اس ادارہ میں رہتے ہوئے آپ کو اپنے امیر کی اطاعت کرنی ضروری ہے، امیر کی اطاعت کرنے سے جو نقصان نظر آ رہا ہے شاید وہ نقصان بہت کم ہو جو نسبت اُس کے امیر کی نافرمانی کے بعد ہوگا

صفحہ

عنوان

۱۰۵

۱۰۶

۱۰۸

❖ خلاصہ کلام

❖ حضرت حکیم الامتؒ کے ارشادات

❖ مشورہ کے وقت کی دعائیں

اور فی الوقت نظر نہیں آ رہا اس لئے شرعاً اخلاقاً عقلاً کسی ادارہ میں داخل ہونے کے بعد اس ادارہ کے سربراہ امیر، ڈائریکٹر کی اطاعت ضروری ہے جب تک کہ وہ خلاف شرع کوئی ایسا حکم نہ دیں جس میں اللہ رب العزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہو۔

اسی طرح امیر کو چاہئے کہ وہ اپنے ادارہ کے تمام ساتھیوں سے یا سمجھ بوجھ رکھنے والے خاص افراد سے مشورہ ضرور کر لے، اور مشورہ میں پہلے سے اپنی رائے ایک سوچ کر نہ رکھے کہ فیصلہ تو اسی پر کرنا ہے صرف برکت کے لئے ان سے پوچھ لوں، نہیں بلکہ ہر ایک کی رائے دھیان سے سنے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے ایسا فیصلہ کرنے کی کوشش کرے کہ جس پر سب یا اکثریت کی رائے آجائے۔

اسی سلسلہ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ خاص مولانا مسیح اللہ خاں صاحب "کارسالہ" اہتمام و شوریٰ بہت پسند آیا جی نے چاہا کہ ہمارے پاکستانی احباب بھی اس سے فائدہ اٹھائیں اور ہمارے ہر ادارہ میں کام کرنے والوں میں اتفاق و اتحاد پیدا ہو خاص طور پر مدرس اور ٹیچر پرنسپل اور مہتمم یا انتظامیہ کی غیبت سے بچے اور انتظامیہ اور مدیر، اساتذہ کا پورا پورا احترام کرے اور ان کی رائے کو اہمیت دے۔

لہذا قارئین کی خدمت میں یہ رسالہ پیش ہے، ہم میں سے ہر ایک اپنی اصلاح کی نیت کرتے ہوئے اس رسالہ کو پڑھے اور تمام مدارس دینیہ و مکاتب قرآنیہ اور مسلمانوں کے اجتماعی و انفرادی مراکز کے لئے دل سے دعا مانگے، چونکہ مولانا کا قیام زیادہ تر ہندوستان ہی میں رہا چنانچہ بہت سے لوگوں کو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا تعارف نہ ہو سکا ہو لہذا "نقوش رفتگان" (از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ) اور "شخصیات و تاثرات" (مؤلفہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) میں جو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا مختصر تذکرہ آیا ہے وہ اس رسالہ کے ساتھ بطور تعارف شامل کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔ آمین۔

والسلام — ناشر

تاثرات

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۹۲ء کی تاریخ دین اور علم دین سے تعلق رکھنے والوں کے لئے جس جانکاہ حادثے کی خبر لے کر آئی وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب قدس سرہ کی وفات حسرت آیات کا حادثہ تھا۔ حضرت قدس سرہ کی ذات اس وقت ایک ایسا چشمہ فیض تھی جس سے نہ صرف برصغیر، بلکہ افریقہ، یورپ اور امریکہ کے دور دراز علاقوں کے مسلمان مستفید ہو رہے تھے، جس نے اس انحطاط پذیر زمانے میں اتباع سنت پر مبنی دین کی خالص اور بے غل و غش فہم کو عملی صورت میں مجسم کر کے دکھایا، اور جس نے شریعت و طریقت کا حسین امتزاج اپنے قول و فعل اور تعلیم و تربیت کے ذریعے عام کر کے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے فیوض کو زندہ تابندہ رکھا۔ آج یہ مقدس وجود ہم سے جدا ہو گیا، اور ہم اس دریائے فیض سے محروم ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے گذشتہ صدی میں تجدید و احیائے دین کے سلسلے میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے، ان کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ اپنی تعلیم و تربیت اور ارشاد و اصلاح کے ذریعے اپنے ایسے خلفاء کی ایک بڑی جماعت تیار کی جو اپنے شیخ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، اور جن کا مزاج و مذاق حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی تعلیمات کا جیتا جاگتا نمونہ تھا، ان خلفاء نے

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی وفات کے بعد بھی اصلاح و ارشاد کا یہ سلسلہ جاری رکھا، اور چار دانگ عالم میں اپنے فیوض پھیلانے، لیکن رفتہ رفتہ یہ نفوس قدسیہ بھی راہی آخرت ہوئے۔ پاکستان میں اس سلسلہ الذہب کی آخری کڑی حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ تھے، اور ان کی وفات کے بعد صرف ہندوستان میں حضرت حکیم الامتؒ کے دو خلفاء باقی رہ گئے تھے، ایک حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس سرہ اور دوسرے مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہم العالی۔ اب حضرت مولانا بھی ہم سے رخصت ہو گئے اور اب حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں سے صرف حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہم باقی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا سایہ رحمت ہم پر تادیر بعافیت سلامت رکھیں۔ آمین ثم آمین۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس سرہ حضرت حکیم الامتؒ کے ان خلفاء میں سے تھے جنہوں نے ساہا سال اپنے شیخ کی صحبت اٹھائی، اور ان کے رنگ کو اپنی زندگی میں اس طرح جذب کیا کہ ان کا وجود اپنے شیخ کی زندہ یادگار بن گیا۔ آپ ۱۳۲۹ھ میں ضلع علی گڑھ کی ایک بستی سرائے برلہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد جناب احمد حسین خان صاحب شیروانی خاندان کے چشم و چراغ تھے، اور اپنے علاقے میں بڑے بااثر اور ہر دلعزیز سمجھے جاتے تھے۔ حضرت کو بچپن ہی سے عبادات و طاعات کا خاص ذوق تھا، بچپن ہی میں نوافل، تہجد اور ذکر کے عادی ہو گئے تھے، آپ کے ایک رشتہ دار مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت تھے، آپ اکثر ان کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے، اور انہی کے ذریعے آپ کو حکیم الامتؒ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے مواعظ مطالعے کے لئے میسر آئے جس کے نتیجے میں آپ کو حضرت حکیم الامتؒ سے غائبانہ طور پر ہی خصوصی محبت و عقیدت پیدا ہو گئی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی کے ایک سرکاری اسکول میں درجہ ششم تک

حاصل کی، اور اس کے ساتھ بہشتی زیور اور حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ کا مطالعہ جاری رکھا۔ اسکول میں آپ ہمیشہ ممتاز نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے، لیکن طبیعت چونکہ ابتداء ہی سے دینی تعلیم کی طرف راغب تھی، اس لئے کچھ عرصے کے بعد والد صاحب نے آپ کا طبعی رجحان دیکھتے ہوئے آپ کو فارسی اور عربی کی تعلیم شروع کرا دی۔ ابتدا سے مشکوٰۃ شریف تک کی تعلیم آپ نے اپنے وطن ہی میں حاصل کی آپ کے اس وقت کے اساتذہ میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب لکھنؤی بطور خاص قابل ذکر ہیں جن سے حضرتؒ نے مشکوٰۃ سمیت درس نظام کی بہت سی کتابیں پڑھیں۔ لیکن یہ عجوبہ بھی استاد اور شاگرد دونوں کے انتہائی اخلاص اور دونوں کے مقام بلند کا کرشمہ ہے کہ بعد میں جب شاگرد کو حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت و ارشاد کی اجازت حاصل ہوئی تو استاد نے اپنی اصلاح کے لئے شاگرد سے رجوع کیا، اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ نے اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اللہ اکبر! ایک طرف حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کے مقام کا اندازہ لگائیے کہ ان کے استاذ نے بیعت ارشاد کے لئے ان کا انتخاب کیا، اور دوسری طرف حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ کے اخلاص اور بے نفسی کا عالم دیکھئے کہ اپنے شاگرد کو اپنا شیخ طریقت بنانے میں کوئی حجاب مانع نہیں ہوا۔ باوجود یہ کہ وہ خود حضرت تھانویؒ کی طرف سے مجاز صحبت قرار دیئے جا چکے تھے۔ سچ ہے کہ جب دل میں فکر آخرت بیدار ہوتی ہے، اور انسان کو اپنی اصلاح کی فکر دامن گیر ہوتی ہے تو رسوم و قیود کے سارے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی فکر انسان کے سینے میں بنے ہوئے خود پسندی کے تمام بتوں کو پاش پاش کر ڈالتی ہے، پھر اندر سے اللہ کی بندگی میں ڈوبا ہوا وہ انسان ابھرتا ہے جس کی پاکیزگی اور تقدس پر فرشتے رشک کرتے ہیں، اور جس کی لغت میں نام و نمود، ذاتی شہرت پسندی اور عجب و تکبر کے الفاظ نہیں ہوتے، پھر اس

کی سیرت و کردار کی مہک ہر اس شخص کو معطر کرتی ہے جو اس سے چھو کر گذر جائے، لیکن اس بھری پُری دنیا میں عظمت و کردار کے ایسے گننے خال خال ہی وجود میں آتے ہیں۔

بہر کیف! حضرتؒ نے اپنا زمانہ طالب علمی اس طرح گزارا کہ استاد تو ان کی ذہانت و ذکاوت اور متانت و کردار کے معترف تھے ہی، والد صاحب بھی آپ کی نیکی کا اس درجہ احترام کرتے تھے کہ اپنے اس بیٹے سے اپنے حق کی حلیم بھی نہیں بھروائی، حضرتؒ نے بعض مرتبہ والد کی خدمت کے شوق میں یہ کام کرنے کی کوشش کی، لیکن والد صاحب نے سخت سے انکار کر دیا۔

حضرتؒ نے مشکوٰۃ شریف تک تعلیم اپنے وطن میں حاصل کرنے کے بعد دورہ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، اور وہاں اپنی تعلیم کی تکمیل فرمائی، جن بزرگوں سے وہاں آپ نے استفادہ کیا، ان میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ، حضرت مولانا اعجاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی صاحبؒ بطور خاص قابل ذکر ہیں، اور اسی زمانے میں حضرتؒ نے احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے بھی تعلیم حاصل کی ہے۔

حضرت حکیم الامت سے عقیدت و محبت تو بچپن ہی سے تھی، حضرت کی علی گڑھ تشریف آوری کے موقع پر زیارت بھی ہو چکی تھی، لیکن باقاعدہ بیعت اور اصلاحی خط و کتابت کا آغاز دارالعلوم دیوبند میں داخلے کے بعد ہوا، اور چھٹیوں میں تمنا نہ بھون حاضری کا بھی معمول رہا۔ یہاں تک کہ جس سال آپ دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے ”یعنی ۱۳۵۱ھ“ اسی کے فوراً بعد شوال ۱۳۵۱ھ میں حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو بیعت کی اجازت بھی مرحمت فرمادی۔ یوں تو حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء کی فہرست کافی طویل ہے، لیکن حضرت نے اپنے زمانہ علالت میں خاص طور پر گیارہ

خلفاء مجازین کے نام شائع فرمائے تھے جن کے بارے میں یہ تصریح فرمائی تھی کہ ان کے طرز تعلیم پر مجھے اعتماد ہے۔ ان منتخب خلفاء میں حضرت مولانا سید محمد خان صاحب قدس سرہ کا ام گرامی بھی شامل تھا۔

بلکہ یہ امتیاز بھی شاید حضرت والاؒ ہی کو حاصل ہوا کہ حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے متعلقین میں سے ایک صاحب کو اس شرط پر اپنی خانقاہ میں آنے کی اجازت دی کہ وہ حضرت مولانا سید محمد خان صاحبؒ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کریں، اور ہر ماہ جو خط و کتابت ہو، وہ مجھے (یعنی حضرت حکیم الامتؒ) کو دکھایا کریں۔ چنانچہ دو تین سال تک برابر وہ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں اپنے خطوط اور حضرت مولانا سید محمد خان صاحب قدس سرہ کے جوابات پیش کرتے رہے، لیکن حضرت الامتؒ نے آپ کے کسی جواب پر کوئی گرفت نہیں فرمائی۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی اس خصوصی نظر شفقت کا اثر تھا کہ حضرت مولاناؒ کی تعلیم و تربیت کا فیض دور دور تک پھیلا۔ حضرت حکیم الامتؒ کے ارشاد پر آپ نے جلال آباد میں قیام فرمایا تھا اور وہاں مفتاح العلوم کے نام سے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی، اور تقریباً نصف صدی تک اسی مدرسے کو فیض رسانی کا مرکز بنائے رکھا۔ وہیں پر درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و ارشاد اور مدرسے کے انتظام و انصرام کی خدمات میں مشغول رہے۔ یہیں پر عرصہ دراز تک صحیح بخاری شریف کا درس دیا جس کی تقریر کا کچھ حصہ شائع ہو چکا ہے۔

جن حضرات نے حضرت موصوفؒ کی زیارت کی ہے اور جلال آباد میں آپ کی مصروفیات کا مشاہدہ کیا ہے وہ یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے ہوں گے کہ حضرتؒ کی زندگی سراپا کرامت ہے۔ احقر کو یہ شرف بالکل آخری دور میں حاصل ہوا جب آپ کے ضعف و علالت کا دور تھا، اور آپ قریبی مسجد تک بھی سہارے سے تشریف لے جاتے تھے، لیکن اس ضعف کے عالم میں بھی معمول یہ تھا کہ تہجد کے وقت سے جو کام

میں لگتے، مغرب کے وقت تک مسلسل کام میں مشغول رہتے۔ فجر کے بعد برائے نام ناشتہ فرماتے، اور پھر مغرب تک کچھ تناول نہیں فرماتے تھے۔ اور فجر کے بعد سے مسلسل اپنی نشست پر دوزانوں بیٹھے رہتے، احقر نے بھی آپ کو چار زانو بیٹھے نہیں دیکھا۔ اسی انداز نشست پر بیٹھ کر اہل حاجت کی حاجتیں پوری فرماتے جس کا جی چاہتا۔ بیٹھک کی حق اٹھا کر اندر آجاتا، اور اپنی ضرورت بیان کرتا، حضرت پوری خندہ پیشانی سے اس کا کام کرتے، بیچ بیچ میں ڈاک کے جواب کا سلسلہ جاری رہتا۔ ساری دنیا سے متوسلین کے خطوط آتے تھے، اور ڈاک کے ذریعے ان کے باطنی مسائل کا حل تجویز فرمایا جاتا، صبح نوبے سے مجلس عام شروع ہوتی، اور دو دو تین تین گھنٹے تک علوم و معارف کے دریا بہتے رہتے۔ اس دوران کوئی محسوس بھی نہ کر سکتا تھا کہ حضرت ضعف کے اس عالم میں ہیں، بعض اوقات مجلس تین گھنٹے سے بھی زیادہ طویل ہو جاتی، مگر حضرت پر تعب کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ ان مجالس میں تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف و طریقت کے وہی علوم کا ناپیدا کنار سمندر رواں دواں رہتا تھا۔ اور اس پورے عرصے میں حضرت کی نشست نہیں بدلتی تھی۔ مجلس کے بعد پھر وہی کاموں کا سلسلہ شروع ہو جاتا، اور نماز کے اوقات کو چھوڑ کر مغرب تک جاری رہتا تھا۔

تواضع، سادگی اور فنائیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے آپ کو دنیا بھر کا خدمت گذار سمجھا ہوا تھا۔ مدرسہ کے طلبہ کی بیماری کی خبر سنتے تو ان کی نہ صرف بیماری پر سی، بلکہ اپنے ہاتھوں سے ان کی خدمت کرتے، ایک نو مسلم طالب علم کی تمام ضروریات کی کفالت آپ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی، وہ صاحب کچھ عجیب طبیعت کے واقع ہوئے تھے۔ جب ان کے جی میں آتا، عین مجلس میں آکر ایسی باتیں حضرت والا سے کہہ دیتے جو سننے والوں کو گستاخانہ معلوم ہوتیں، دکان داروں سے قرض کر لیتے، اور پھر اگر تقاضا کرتے کہ مجھے پیسے چاہئیں۔ ایک مرتبہ مجلس میں آئے اور کہنے لگے کہ ”ہمارے جوتے ٹوٹ گئے ہیں، اور بنواد دیجئے“ حضرت نے فرمایا کہ ”ابھی تو خرید کر دیئے تھے، تھوڑے سے

لوٹے ہوں گے، مرمت کروادی جائے گی۔“ انہوں نے کہا، ”ہمیں معلوم نہیں، آپ دیکھ لیجئے۔“ آپ نے فرمایا ”لاؤ“ دیکھ لوں ”اس پر انہوں نے کہا کہ ”وہیں ہیں حق کے باہر، آپ دکھ لیجئے“ ان کے اس جواب پر حضرت والا مجلس سے اٹھ کر دھوپ میں باہر تشریف لائے، جہاں بہت سے جوتے رکھے تھے۔ چونکہ آپ کو ان کے جوتے کی پہچان نہیں تھی، اس لئے مختلف جوتے اٹھا اٹھا کر فرماتے رہے کہ ”یہ تمہارے جوتے ہیں؟“ اور وہ صاحب اندر ہی اندر سے انکار کرتے رہے۔ بالآخر جب دیر گزر گئی تو حاضرین میں سے کسی صاحب نے ان سے کہا کہ ”تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ آگے بڑھ کر دکھلاؤ“ اس پر انہوں نے اپنے جوتے دکھائے، اور حضرت نے مرمت کے لئے پیسے دیئے۔

کسی نے ان صاحب کے بارے میں حضرت سے عرض کیا کہ یہ صاحب ایسی بے تکلی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ”بھائی حضرت تو سب لوگ کہتے ہیں، کوئی ایسا بھی تو ہو جس سے میں اپنے آپ سنبھالتا رہوں، اور میری اصلاح ہوتی رہے۔“

ایک مرتبہ حضرت مدرسہ تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک بڑے میاں اپنے مکان کے دروازے کے باہر چارپائی پر لیٹے ہوئے کراہ رہے تھے۔ حضرت والا نے ان سے سلام کے بعد حال دریافت کیا، انہوں نے کمر میں درد کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا ”لایئے، میں آپ کی کمر بادوں“ انہوں نے سختی سے انکار کیا، آپ اس وقت تو مدرسہ تشریف لے گئے، لیکن رات کو عشاء کے بعد پھر ان کے پاس پہنچ گئے، اور ان کی کمر دہانی شروع کر دی، اور ان کے انکار پر فرمایا کہ صبح تو دوسرے حضرات بھی موجود تھے آپ ان سے شرما تے ہوں گے، لیکن اس وقت کوئی نہیں ہے، اب دبا لیجئے آپ کو آرام آجائے گا۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے اصلاحی تعلق قائم ہونے کے بعد آپ پر مخلوق

خدا پر شفقت کا ایک خاص حال اس درجہ طاری ہوا کہ انسان تو انسان کسی جانور اور کیڑوں مکوڑوں کو بھی اپنی ذات سے کوئی ادنیٰ تکلیف پہنچنا بے حد شاق گذرتا تھا۔ یہاں تک کہ موزی حشرات الارض کو بھی اپنے ہاتھ سے مارنے پر قدرت نہ ہوتی تھی۔ جس شخص کا جانوروں کے ساتھ یہ معاملہ ہو، وہ انسانوں کی تکلیف کا کس درجہ خیال رکھے گا؟ اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت والاؒ کا مستقل قیام اگرچہ جلال آباد میں تھا، لیکن دعوت و ارشاد کے مقصد سے آپ نے اطراف ملک اور بیرون ملک سفر بھی بہت سے کئے۔ برصغیر کے علاوہ جنوبی افریقہ، برطانیہ، فرانس، امریکہ، پاناما، مصر وغیرہ کے دورے فرمائے، اور اس طرح آپ کا علمی اور روحانی فیض ان تمام علاقوں میں پہنچا، اور دنیا کے ان تمام خطوں میں آپ کے متوسلین اور متعلقین موجود تھے جو خط و کتابت سے اصلاحی تعلق استوار کئے ہوئے تھے، ان حضرات کے خطوط کا ایک انبار ہر وقت آپ کے سامنے موجود رہتا، اور ہر خط کا اطمینان بخش جواب مختصر مدت میں روانہ ہو جاتا۔

حضرتؒ کا تذکرہ احقر نے بچپن میں سب سے پہلے اپنے استاذ گرامی قدر حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم (صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی) سے سنا جو مدتوں حضرتؒ کے مدرسے میں تدریسی اور انتظامی خدمات انجام دیتے رہے تھے، اور بعد میں پاکستان تشریف لے آئے تھے۔ اسی زمانے میں حضرتؒ دو ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے تو دارالعلوم میں بھی تشریف آوری ہوئی اور حضرت والد ماجد صاحب قدس سرہ سے ملاقات فرمائی۔ پہلی بار آپ کی زیارت اسی موقع پر ہوئی، ایک انتہائی سادہ اور متواضع وجود، جسمانی اعتبار سے مخمئی، لیکن سرخ و سفید چہر مبارک پر زہد و عبادت کے انوار، کم گوئی اور فروتنی کی وجہ سے کوئی اندازہ بھی نہ لگاسکتا تھا کہ یہ مشت استخوان علوم و معارف کے کتنے دریا سینے میں جذب کئے ہوئے ہے۔

آپ بکثرت لاہور بھی تشریف لاتے تھے، اور اپنے بھانجے اور داماد جناب مولانا دکیل احمد شیروانی صاحب مدظلہم کے یہاں قیام فرماتے تھے۔ وہاں بھی متعدد مرتبہ زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ پھر جب احقر کے شیخ و مربی سیدی وسندی حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہ کی وفات ہوئی تو احقر پر ایک عالم حسرت طاری تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ جیسے شیخ کامل سے جو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا، میں اپنی نااہلی کی بنا پر نہیں اٹھا سکا۔ دوسری طرف حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ایک لق ووق صحرا میں تنہا کھڑا رہ گیا ہوں۔

اس موقع پر قلب میں شدت کے ساتھ یہ تقاضا پیدا ہوا کہ حضرتؒ کے بعد اپنی نگرانی اور اصلاح کے لئے حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب قدس سرہ سے اصلاحی تعلق قائم کروں، چنانچہ احقر نے آپ کی خدمت میں اس مقصد کے لئے عریضہ لکھا۔ حضرت والاؒ کا جواب ملا کہ:

”احقر تو خادم ہے، جو چاہے، استقامت کے ساتھ خدمت لے۔“

اس کے بعد، بفضلہ تعالیٰ خط و کتابت کے ذریعے حضرتؒ سے اصلاحی تعلق تقریباً سات سال قائم رہا۔ اس دوران اتفاق سے حضرت والاؒ کی پاکستان (لاہور) تشریف آوری صرف ایک مرتبہ ہوئی۔ اس موقع پر بفضلہ تعالیٰ حضرتؒ کی مجالس میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد دو مرتبہ احقر بھی جلال آباد حاضر ہوا اور حضرت والاؒ کے سایہ شفقت میں چند روز گزارنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرتؒ کی بے پایاں عنایتوں نے ہمیشہ نہال فرمایا۔ جلال آباد کے قیام کے دوران روزانہ حضرتؒ کی مجلس میں حاضری کی توفیق ہوئی، اس زمانے میں حضرتؒ تین تین گھنٹے، بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زائد بیان فرماتے۔ لیکن محویت کا عالم یہ ہوتا کہ یوں محسوس ہوتا جیسے یہ وقت پلک جھپکتے گذر گیا، اور جو علوم و معارف وہاں سننے میں آتے، ان کے

بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں

احقر کو جسمانی حاضری اور براہ راست صحبت سے استفادہ کا موقع تو بہت کم ملا لیکن الحمد للہ، مراسلت کے ذریعے اپنے تقریباً تمام کاموں میں حضرتؒ سے رہنمائی حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ خط جانے اور جواب آنے میں کم از کم بیس دن لگ جاتے تھے، لیکن جب ڈاک میں حضرتؒ کا مکتوب گرامی نظر نواز ہوتا تو ایک عجیب سرور محسوس ہوتا، اور جواب پڑھ کر دیر تک سرور طاری رہتا۔

حضرتؒ کا ضعف تو عرصہ سے روز افزوں تھا، لیکن معمولات میں فرق نہیں آتا تھا، اب چند ماہ پہلے معلوم ہوا کہ ضعف اتنا بڑھ گیا ہے کہ مسجد تک بھی نہیں جاپاتے، اور مجلس کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ ڈاک کا جواب بھی نہیں لکھ رہے ہیں، بیچ میں کبھی کبھی افانے کی خبریں بھی آتی رہتیں۔ احقر نے ۲ نومبر کو ہندوستان جانے کا ارادہ کیا ہوا تھا، اور جلال آباد حاضر ہونے کا قصد تھا، لیکن اچانک ازبکستان کا سفر پیش آگیا، اور ہندوستان کا سفر وہاں سے واپسی پر ملتوی کر دیا گیا، لیکن حضرتؒ کی زیارت مقدر میں نہ تھی، ازبکستان سے واپسی کے چند ہی دن بعد اچانک حضرت والاؒ کے وصال کی خبر آئی، جمعرات کا دن گزرنے کے بعد جمعہ کی شب میں حضرتؒ نے بلند آواز سے ذکر شروع کیا، اور ذکر کرتے کرتے ہی دنیا سے کوچ فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون جمعہ کے دن حضرت والاؒ کی تجہیز و تکفین ہوئی۔ سنا ہے کہ حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب مدظلہم العالی نے نماز جنازہ پڑھائی۔



تاثرات

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۹۲ء کو حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی کا وصال ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً شاملاًً کاملۃً۔

حضرت مرحوم، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے اجلہ خلفاء میں تھے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اپنے آخری دور علالت میں اپنے گیارہ خلفاء کے اسمائے گرامی اس تصریح کے ساتھ شائع فرمائے تھے کہ ”ان کے طرز تعلیم پر مجھے اعتماد ہے“ ان گیارہ حضرات کی فہرست میں حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ کا اسم گرامی بھی شامل تھا۔

حضرت مرحوم ۱۳۲۹ھ میں ضلع علی گڑھ کی ایک بستی سرائے برلہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن کے سرکاری اسکول میں درجہ ششم تک ہوئی، اسی دوران بہشتی زیور اور حضرت حکیم الامت کے مواعظ شریفہ کا مطالعہ جاری رہا، لیکن چونکہ ابتدائی سے طبیعت نیکی و پارسائی کی طرف تھی اور بچپن ہی سے طاعت و عبادت کا ذوق تھا۔ اس لئے والد ماجد نے اسکول سے اٹھا کر فارسی و عربی کی تعلیم شروع کرادی۔ ابتداء سے مشکوٰۃ شریف تک کی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی۔ ۱۳۵۰ھ میں دورہ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد اعجاز علیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع

دیوبندی سے دورہ حدیث کی تکمیل فرمائی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ بچپن ہی سے عقیدت و محبت تھی۔ آپ کے مواعظ شریفہ اور تصنیفات کا مطالعہ بھی شروع ہی سے جاری تھا جس سال دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اسی سال حضرت حکیم الامتؒ سے باقاعدہ اصلاحی تعلق قائم کر لیا۔ شعبان ۱۳۵۱ھ میں حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا، اور حضرت حکیم الامتؒ کے حکم سے جلال آباد میں (جو تھانہ بھون کے قریب ہے) اقامت پذیر ہوئے اور مدرسہ مفتاح العلوم کا اجرا فرمایا جہاں دورہ حدیث تک تعلیم ہوتی تھی، صحیح بخاری کی تدریس حضرت خود فرماتے تھے، اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک علوم نبوت کی نشر و اشاعت اور اصلاح و ارشاد میں بتوفیق ایزدی مشغول رہے۔

حق تعالیٰ شانہ کی عنایت خاصہ نے حضرت مرحوم کو چند خصائص سے نوازا تھا جو اس زمانے میں نادر الوقوع ہیں۔

اول یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے بچپن ہی سے طاعت و عبادت اور اہل اللہ سے تعلق کا ذوق عطا فرمایا تھا۔ بچپن اور جوانی کا زمانہ عام طور سے لاپرواہی کا دور ہوتا ہے مگر حضرت مرحوم ابتداء ہی سے زاہد شب زندہ دار تھے، اور حق تعالیٰ شانہ نے ان کو حدیث نبویؐ شاب نشأ فی عبادۃ اللہ کا مصداق بنایا تھا۔ (حدیث میں ہے کہ سات آدمیوں کو قیامت کے دن عرش الہی کا سایہ نصیب ہوگا جس دن کہ اس کے عرش کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ انہی سات خوش بخت انسانوں میں ایسے نوجوان..... کا ذکر فرمایا جس کی نشوونما اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی ہو)

دور طفولیت ہی سے طبیعت نیکی کی خوگر ہو گئی ہو اسی برس کے سن کو پہنچ کر اس میں نیکی کا ذوق و مزاج کس قدر پختہ ہو گیا ہوگا، اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

دوم: فنائیت و تواضع انسانیت کا سب سے بلند ترین جوہر ہے جس پر بے شمار اخلاقی

کمالات متفرع ہوتے ہیں، جیسا کہ عجب و کبر، خود پسندی و خود رائی نفسانی رذائل میں سب سے بدتر ذلیلہ ہے جس کو حضرات صوفیاءؒ ”آتم الامراض“ سے تعبیر کرتے ہیں حق تعالیٰ شانہ نے حضرت کو فنائیت کے جوہر انسانیت سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا، گویا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿اَنْتُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ﴾ (البوداؤد جلد ۲ صفحہ ۶۹۸)

”تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے۔“

پر آپ کی نظر ہمیشہ جہی رہتی تھی۔ اس لئے کبر و تعلی کا وہاں دور دور پتہ نہیں تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اپنے تئیں سب سے کمتر سمجھتے ہیں، ہر شخص کے ساتھ سراپا شفقت و رافت تھے، کسی انسان کو کیا معنی؟ کسی حیوان کو بھی اپنی ذات سے تکلیف پہنچ جانا گوارا نہیں تھا۔ اس سلسلہ میں آپ کے متعدد واقعات معروف و مشہور ہیں۔

سوم: کسی شخص کو اپنے اکابر کا اعتماد حاصل ہونا دولت کبریٰ ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری وقت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی تسلی کے لئے فرمایا:

﴿لَقَدْ صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ، ثُمَّ صَحِبْتُ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ، ثُمَّ صَحِبْتُ الْمُسْلِمِينَ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُمْ وَلَسْتُ فَارَقْتَهُمْ لِفَقَارِ قَتْلِهِمْ وَهُمْ عَنْكَ رَاضُونَ﴾

”آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی، پس حسن و خوبی کے ساتھ آپ کی صحبت کا حق ادا کر دیا، پھر آپ اس حال میں دنیا سے

تشریف لے گئے کہ وہ آپ سے راضی تھے، پھر آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت اٹھائی پس حسن و خوبی کے ساتھ ان کی رفاقت کا حق ادا کر دیا وہ آپ سے اس حال میں جدا ہوئے کہ وہ آپ سے راضی تھے، پھر آپ نے مسلمانوں کی صحبت پائی، پس حسن و خوبی کے ساتھ ان کا حق رفاقت ادا کیا۔ اب اگر آپ ان سے جدا ہوں گے تو اس حال میں جدا ہوں گے کہ وہ آپ سے راضی ہوں گے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا:

﴿أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَضَاهُ فَإِنَّمَا ذَلِكَ مِنْ اللَّهِ مَنْ بِهِ عَلَيَّ وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ أَبِي بَكْرٍ وَرَضَاهُ فَإِنَّمَا مَنْ مِنَ اللَّهِ مَنْ بِهِ عَلَيَّ﴾

(مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۹)

”تم نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ کی رضامندی کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر انعام تھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور جو تم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور ان کی رضامندی کا ذکر کیا ہے سو یہ بھی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اکابر کی صحبت و رفاقت میسر آنا اور ان حضرات کا اس حال میں دنیا سے رخصت ہونا کہ وہ اس پر اعتماد کرتے ہوں اور اس سے راضی ہوں یہ حق تعالیٰ شانہ کا انعام عظیم ہے۔

حضرت مرحوم کو حق تعالیٰ شانہ نے اس نعمت سے ممتاز و مفتخر فرمایا تھا۔ صرف ایک سال کے اصلاحی تعلق کے نتیجہ میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی طرف سے

خلافت و اجازت کا ملنا آپ کے جوہر عالی کی نشاندہی کرتا ہے، اور پھر آخری ایام میں حضرت حکیم الامتؒ کا آپ کو اپنے ان گیارہ خلفاء کی فہرست میں شامل کرنا جن پر حضرت کو اعتماد تھا، یہ حق تعالیٰ شانہ کا آپ پر انعام عظیم تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے شیخ مرشد حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ذوق و مزاج اور طریق تعلیم و تربیت کو پوری طرح جذب کر لیا تھا۔ ایک موقع پر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا تھا کہ عیسیٰ و مسیح دونوں بڑھ گئے۔ (عیسیٰ سے مراد حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا محمد عیسیٰ مؤلف ”انفاس عیسیٰ“ اور مسیح سے مراد حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب)

آپ کے ان امتیازی اوصاف و کمالات کی برکت تھی کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو جاذبیت اور محبوبیت عطا فرمائی، ہندوپاک سے لے کر افریقہ اور مغربی ممالک تک آپ کا سلسلہ پھیلا اور بے شمار حضرات اس کے چشمہ فیض سے مستفیض ہوئے۔

سن مبارک چوراسی سال کے قریب تھا۔ طبعی اضمحلال اور مختلف عوارض کا سلسلہ ایک عرصہ سے چل رہا تھا۔ ابھی کچھ عرصہ سے صاحب فراش چلے آ رہے تھے تا آنکہ شب جمعہ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۲۱۳ھ کو وقت موعود آ پہنچا اور ذکر الہی میں مشغول ہونے کی حالت میں واصل حق ہوئے۔

﴿اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَآكْرِمْ نَزْلَهُ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهُ وَابْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ اللَّهُمَّ لَا تُحَرِّمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تُفْتِنَا بَعْدَهُ﴾

حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں حضرت اقدس مولانا فقیر محمد صاحب رحمہ اللہ پاکستان میں آخری خلیفہ تھے اور ہندوستان میں صرف دو اکابر تھے۔ حضرت مولانا مسیح اللہ خان اور حضرت مولانا شاہ ابرار الحق مدظلہ العالی۔ حضرت مولانا مسیح اللہ خان کے رخصت ہو جانے کے بعد گلشن اشرفی کا صرف ایک پھول باقی رہ گیا اللہ تعالیٰ ان کو تادیر سلامت باکرامت رکھے۔ آمین



تمہید

ضروری گذارش یہ ہے کہ ابھی پچھلے دنوں بعض مدارس میں ہنگامی حالات سے اہتمام اور مجلس شوریٰ کی حیثیت کا مسئلہ طشت از بام ہوا، اور مختلف باتیں زبانی و تحریری، اطراف و اکناف عالم میں رواں دواں ہوئیں تو اہل علم و عقل میں خلجان واقع ہوا، اور اندرون ملک گجرات وغیرہ اور بیرون ملک مختلف مقامات، پاکستان، جنوبی افریقہ، لندن وغیرہ سے علماء و عقلاء نے بکثرت زبانی اور تحریری طور پر اس سلسلہ میں کچھ لکھنے کی فرمائش کی اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر نزاعی فضاء میں اس مسئلہ پر کچھ لکھنا سودمند نظر نہ آیا۔ اور یہی طریق اسلاف کا بھی رہا ہے کہ ایسے وقت سلامت روی یکسوئی اور خاموشی ہی کو قرار دیتے رہے۔ بالخصوص جب کہ اہل زمانہ کا یہ حال ہے کہ کوئی کسی کی بات سننے اور ماننے کے لئے تیار نہیں نظر آتا، اب کسی کے علم و عقل اور تجربہ و بصیرت پر التفات و اعتماد نہیں اس لئے اپنی رائے کے خلاف بات بے جھجک رد کر دی جاتی ہے خواہ وہ کسی کی بھی ہو۔ تو ظاہر ہے کہ ایسے حال میں قلم اٹھانے اور کچھ لکھنے کو دل کیسے گوارا کر سکتا ہے بس یہ شعر مطابق حال ہے۔

وہ مایوس تمنا کیوں نہ سوئے آسمان دیکھے

کہ جو منزل بمنزل اپنی کوشش رائیگاں دیکھے

ایک وہ زمانہ تھا کہ بڑوں کی عظمت و وقعت اور ان کے ساتھ وابستگی بحبت و

اطاعت ایسی تھی کہ بڑا جو کچھ کہدیتا خواہ وہ کیسا بھی اپنی رائے کے خلاف ہوتا ہی پر عمل ہوتا تھا اور اپنی رائے یک لخت چھوڑ دی جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کا ممبر بننے کے لئے ایک مقامی رئیس شیخ زادے کی ممبری کی خواہش پوری نہ کی جانے پر اس درجہ شورش اور فتنہ برپا ہو گیا تھا کہ مدرسہ بند ہو جانے کا خطرہ محسوس ہونے لگا تھا اس لئے مدرسہ کے اراکین مہتمم وغیرہ سب حضرات نے حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت ایسے سنگین حالات میں اگر ان کو ممبر بنالیا جائے تو یہ شر اور فتنہ بھی دفع ہو جائے گا اور بظاہر ضرر بھی کچھ نہ ہوگا چونکہ کثرت تو پھر بھی حضرت کے خدام ہی کی رہے گی، حضرت گنگوہیؒ نے ان کی ممبری قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ مدرسہ مقصود نہیں رضائے الہی مقصود ہے، نااہل کو ممبر بنانے میں ہم سے مواخذہ ہوگا اور ممبر نہ بنانے سے شر بڑھا اور مدرسہ بند ہو گیا تو باز پرس ان سے ہوگی۔ اس جواب پر سب خاموش اور اپنی رائے سے خالی الذہن ہو گئے، اس پر عمل کرنے سے سب شرم ختم ہو گیا۔ تو اس وقت ایسے سلیم الطبع تھے کہ بڑے کی تابعیت و اطاعت کے خلاف نہ کرتے تھے اب ایسی بات کہاں تو پھر کچھ کہنے اور لکھنے کے لئے دل کیسے آمادہ ہو۔

بالآخر رفتہ رفتہ جوش و خروش کی فضاء سکون پذیر ہو گئی ادھر علماء اطراف و اکناف کا اصرار برابر جاری رہا اور مہتمم و مجلس شوریٰ کی شرعی حیثیات اور ہر ایک کے حدود و احکام و جزئیات کی تعیین و توضیح کی ضرورت پیش کی جاتی رہی تو پھر یہ خیال کرتے ہوئے کہ حق جو، و حق پسند لوگوں کے لئے تو بہر حال اس مسئلہ کی وضاحت مفید ہی ہوگی جو لوگ شریعت کے موافق عمل کرنے والے ہوں گے ان کے لئے اس تحریر سے سہولت میسر آئے گی، اس لئے اس سلسلہ میں تحریر کر دینا راجح ہو گیا اور توکل علی اللہ غور و خوض اور کتب تفسیر و حدیث کا تتبع کرتے ہوئے کام شروع کیا گیا۔

شروع مقصد

سود عرض ہے کہ اس سلسلہ میں سب سے واضح حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾

جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ہے کہ آپ مہتمم بالشان امور میں صحابہ سے مشورہ کر لیا کیجئے پھر جب آپ کسی ایک جانب کا پختہ ارادہ فرمائیں تو اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کیجئے یعنی اس کام کو کر ڈالئے، بیشک اللہ تعالیٰ اعتماد و بھروسہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

اس آیت شریفہ میں اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ لینے کو فرمایا گیا ہے لیکن دلالت ہر امیر بلکہ تمام مؤمنین کو آیت عام ہے۔ لہذا امت مسلمہ کے لئے یہ آیت ایک دستور العمل ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ مؤمنین کی صفات میں خود قرآن پاک ہی میں ارشاد ہے:

﴿وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (پارہ ۲۵: سورۃ الشوری)

”اور ان مؤمنین کا باہمی کام مشورہ سے ہوتا ہے۔“

آیات مذکورہ کی تفاسیر اور شرعی احکام اور مشورہ کے بعد نفاذ کا اختیار وغیرہ کی گفتگو سے قبل امیر و شوری کے مفہوم و مصداق کو بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شوری کے معنی

روح المعانی میں ہے:

﴿الشُّورَى مَصْدَرٌ كَالْبُشْرَى، وَقَالَ الرَّاعِبُ الْمَشُورَةُ إِخْرَاجُ

الرَّأْيِ بِمُزَاجَعَةِ الْبَعْضِ إِلَى الْبَعْضِ وَالشُّورَى الْأَمْرُ الَّذِي يَتَشَاوَرُ فِيهِ وَالْمَشْهُورُ كَوْنُهُ مَصْدَرًا﴾ (روح المعانی پارہ: ۲۵ صفحہ ۳۶)

”شوری مثل بشری کے مصدر ہے۔ اور امام راغبؒ نے فرمایا ہے مشورہ رائے حاصل کرنا ہے بعض کو بعض کی طرف (کلام کو) لوٹانے کے ذریعہ اور شوری وہ چیز ہے جس میں مشورہ کیا جائے اور مشہور شوری کا مصدر ہونا ہے۔“

مفردات امام راغب میں ہے:

﴿التَّشَاوُرُ، وَالْمُشَاوَرَةُ، وَالْمَشُورَةُ إِسْتِخْرَاجُ الرَّأْيِ وَمُزَاجَعَةُ الْبَعْضِ إِلَى الْبَعْضِ وَالشُّورَى الْأَمْرُ الَّذِي يَتَشَاوَرُ فِيهِ﴾

(الفردات صفحہ ۲۷۲)

اس عبارت کا وہی مطلب ہے جو سابق میں بیان کیا گیا۔ تفسیر مظہری میں ہے:

﴿الشُّورَى مَصْدَرٌ كَالْفَتْيَا بِمَعْنَى التَّشَاوُرِ﴾

(تفسیر مظہری جلد ۸ صفحہ ۳۲۸)

”شوری فتیا کی طرح مصدر ہے تشاور کے معنی میں ہے یعنی باہم مشورہ کرنا۔“

تفسیر مدارک میں ہے:

﴿وَمَعْنَى شَاوَرْتُ فَلَانًا أَظْهَرْتُ مَا عِنْدِي وَمَا عِنْدَهُ﴾

(تفسیر مدارک تحت الایۃ)

”یعنی شاورت فلاں کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اپنی رائے ظاہر کی اور اس

نے اپنی۔“

ان عبارات عربیہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مشورہ، مشاورت، شوری تینوں الفاظ مترادف اور ہم معنی ہیں جن کے معنی مختلف رائیں معلوم کرنا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ رائے دینے والوں کا کام صرف رائے دینا ہے، رہا اس کا نافذ کرنا یا اس پر عمل کرنا یہ ان کا کام نہیں یہ ان کے دائرہ عمل سے بالکل باہر ایک الگ چیز ہے۔

اولی الامر کون لوگ ہیں

قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے اپنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا بھی حکم فرمایا ہے ارشاد باری ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (پارہ ۵: سورۃ النساء)

”اے ایمان والو! اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔“

اس آیت شریف میں صاف طور سے اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہے اس لئے اولی الامر کا مصداق جانتا بھی ضروری ہے۔

امر، ہر مہتمم بالشان قول و فعل کو کہتے ہیں اور حکم کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ اولی عربی زبان میں جمع کے لئے آتا ہے اس لئے اولی الامر کے معنی (حکم والے) ہوئے۔ اس لفظ کے معنی سے ہی ظاہر ہے کہ یہ لفظ صرف حکام و سلاطین کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس میں عموم و شمول ہے جیسا کہ ذیل کی کتب تفسیر سے معلوم ہوتا ہے۔

صاحب انوار التنزیل فرماتے ہیں:

﴿أُولِيَ الْأَمْرِ يُرِيدُ بِهِمْ أُمَرَاءَ الْمُسْلِمِينَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَعْدَهُ فَيُتَدَرِّجُ فِيهِمُ الْخُلَفَاءُ وَالْقُضَاةُ وَ

أُمَرَاءُ السَّرِيَّةِ وَقِيلَ عُلَمَاءُ الشَّعْرِ﴾ (انوار التنزیل جلد ۲ صفحہ ۱۱۳)
”اولی الامر سے عہد نبوی اور بعد کے امراء مسلمین مراد ہیں، اور اس میں خلفاء قاضیان، امراء لشکر سب داخل ہیں اور کہا گیا ہے کہ علماء شرع بھی داخل ہیں۔“

ابن کثیر کا قول

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

﴿وَالظَّاهِرُ أَنَّهَا (آيَةُ أُولِيَ الْأَمْرِ) عَامَّةٌ فِي كُلِّ أُولِيَ الْأَمْرِ مِنَ الْأُمَرَاءِ وَالْعُلَمَاءِ﴾ (ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۵۱۸)

”اور ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے ہر حکم والے کو یعنی امراء علماء وغیرہ سب کو۔“

تفسیر خازن میں ہے:

﴿قَالَ الزُّجَّاجُ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مَنْ يَقُومُ شَأْنِ الْمُسْلِمِينَ فِي أَمْرِ دِينِهِمْ وَجَمِيعِ مَا آدَى إِلَيْهِ صَلَاحُهُمْ﴾ (تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۳۷۷)

”کہ اولی الامر وہ تمام اشخاص ہیں جو مسلمانوں کے دینی امر اور ان کی صلاح کی چیزوں کے قیام و منظم ہوں۔“

مندرجہ بالا تفاسیر سے واضح و ظاہر ہے کہ اولی الامر سے مراد صرف حکام یا سلاطین ہی نہیں ہیں بلکہ اس کا مفہوم بہت عام ہے۔

حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے الابواب والترجم میں اولی الامر کی

مراد میں علامہ عینیؒ سے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد آخری قول اس کے عام ہونے کا نقل فرمایا ہے اور اسی کو صحیح فرمایا ہے امام بخاریؒ بھی اسی کی طرف مائل ہوئے ہیں، چنانچہ لکھا ہے:

﴿الْحَادِي عَشَرَ عَامٌ فِي كُلِّ مَنْ وَلِيَ أَمْرٍ شَيْئِي وَهُوَ الصَّحِيحُ وَالْيَهُ مَالُ الْبَخَارِيِّ يَقُولُهُ ذَوِي الْأَمْرِ﴾

(الابواب والترجم جلد ۵ صفحہ ۳۴)

”گیارہواں قول یہ ہے کہ یہ لفظ ہر اس شخص کے لئے عام ہے جو کسی امر کا والی ہو اور یہی صحیح ہے اسی کی طرف امام بخاریؒ مائل ہوئے ہیں۔“

ملا جیونؒ کی رائے

نیز تفسیرات احمدیہ مؤلفہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

﴿وَالْحَقُّ أَنَّ الْمُرَادَ بِهِ كُلُّ أُولَى الْحُكْمِ إِمَامًا كَانَ أَوْ أَمِيرًا، سُلْطَانًا كَانَ أَوْ حَاكِمًا عَالِمًا كَانَ أَوْ مُجْتَهِدًا قَاضِيًا كَانَ أَوْ مُفْتِيًا عَلَى حَسَبِ مَرَاتِبِ التَّابِعِ وَالْمُتَّبِعِ لِأَنَّ النَّصَّ مُطْلَقٌ فَلَا يَقْتَضِي مِنْ غَيْرِ دَلِيلِ الْخُصُوصِ﴾ (تفسیر احمدیہ صفحہ ۱۶۹)

”اور حق بات یہ ہے کہ اس (اولی الامر) سے ہر صاحب حکم مراد ہے خواہ امام ہو یا امیر، سلطان ہو یا حاکم، عالم ہو یا مجتہد، قاضی ہو یا مفتی تابع اور متبوع کے مراتب کے اعتبار سے (سب مراد ہیں) اس لئے کہ نص (قرآنی) مطلق ہے لہذا اس کو بلا دلیل کے مقید نہیں کیا جاسکتا۔“

نیز احادیث ذیل سے بھی اس کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ امیر اور اولوالامر کا مفہوم شریعت کی اصطلاح میں عام ہے۔

لفظ امیر اصطلاح شریعت میں عام ہے

﴿عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيَتَوَقَّعُوا أَحَدَهُمْ﴾

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۳۱ باب آداب السفر)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تین آدمی سفر میں ہوں تو ان میں سے ایک کو امیر بنالیں۔“

(تین آدمی اس لئے فرمایا کہ اس زمانہ میں امن نہ تھا تو آپ نے ایک یا دو آدمی کو سفر کرنے سے منع فرما دیا تھا اب اس کا وجوب تو ختم ہو گیا ہے، استحباب باقی ہے)

اس حدیث شریف سے واضح ہو گیا کہ امیر سے مراد صرف سلطان یا حاکم ہی نہیں ہے بلکہ اس میں بہت عموم ہے حتیٰ کہ سفر کے رفقاء کو بھی یہ حکم ہے کہ اپنے کسی رفیق کو امیر بنا کر اس کی اطاعت کو لازم کر لیں کیونکہ عقل سلیم کا یہی تقاضا ہے کہ مدار کار کسی شخص واحد پر ہو۔

﴿عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَإِلَّا مَا مَأْمُورٌ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْءُ رَاعِيَّةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ﴾ (مشکوٰۃ شریف باب الامارة صفحہ ۳۲۰)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سب کے سب راعی ہو اور تم سب سے

اپنی رعیت کے متعلق سوال ہوگا پس لوگوں پر بادشاہ نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا اور آدمی اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اولاد کی نگہبان ہے اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا اور آدمی کا غلام اپنے آقا کے مال میں نگہبان ہے اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا سو خوب یاد رکھو کہ تم میں ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ اس حدیث شریف میں رعیت کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ہر شخص اپنے ماتحت کا امیر ہے۔“

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات بالبداہت و الصراحت ثابت ہوگئی کہ لفظ امیر ہر اس شخص پر جس کے کچھ ماتحت ہوں تشریفی طور پر مستعمل ہوا ہے اس کی اطاعت کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے۔ لہذا وہ اولی الامر میں داخل ہے اس کی اطاعت واجب ہے۔

مولانا فتح محمد صاحب ”تائب شاگرد رشید مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی“ کی رائے

چنانچہ مولانا فتح محمد صاحب ”تائب شاگرد رشید مولانا عبدالحی صاحب“ اپنی معرکہ الآراء تصنیف خلاصۃ التفاسیر میں اولی الامر کے متعلق مختلف مرادوں کا ذکر فرما کر فرماتے ہیں:

”اولو الامر سے عام مراد لی جائے یعنی ہر کام میں اس کا حاکم و مختار اولی الامر ہے تو ان تمام صورتوں کو بلا تکلف شامل ہے جیسا کہ مسلم و بخاری نے روایت کیا کہ فرمایا الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ تم

سب چرواہے (نگراں) ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے متعلق سوال ہوگا اور فرمایا کہ امام رعیت کا راعی ہے اور زوج زوجہ کا اور مرد اپنے گھر والوں کا اور عورت اپنے شوہر کے مال و عیال میں اذرعلام اپنے مولیٰ کے مال میں راعی اور ذمہ دار ہے۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ داروغہ اپنے ماتحتوں میں اور آقا اپنے نوکروں میں اور ہر شخص اپنے متعلقین کے حق میں آمر (امیر) ہے اور یہ باز پرس جو اس کے ذمہ لازم کی گئی ہے بالضرورت چاہئے کہ وہ لوگ اس کے مطیع ہوں پس ایسی تمام صورتوں میں بقدر قوت و حیثیت اطاعت لازم ہوگی۔“ (خلاصۃ التفاسیر صفحہ ۳۹۹)

آگے فرماتے ہیں:

”سلطان اور مجتہد یا استاذ یا شیخ یا والد یا زوج وغیرہ جس امر مباح کو لازم کر دیں وہ دو حال سے خالی نہیں۔

① یہ کہ امر انتظامی ہوگا جیسے طریق جنگ یا تدبیر امر قواعد انتظامی اس کے لزوم میں کوئی کلام نہیں ورنہ حکومتیں باطل اور مصلحتیں معطل اور نظم برہم اور امر مختل ہو جائیں گے اور یہ لزوم اس عہد پر مبنی ہے جو حاکم و محکوم میں ہوتا ہے۔

② یہ کہ عبادات اور عقائد میں ہو، پس ایسا لزوم باطل ہوگا کہ دین میں نئی بات پیدا کرنے کا کسی کو حق نہیں اور بوقت اختلاف مامور کو حق رجوع حاصل ہے۔“ (خلاصۃ التفاسیر صفحہ ۳۹۹)

بہر حال مندرجہ بالا آیت سے اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا وجوب اور تفاسیر و احادیث سے اس کا عموم بالصراحت ثابت ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ ہر شخص اپنے ماتحت کا امیر ہے اور ماتحت کو اس کی اطاعت واجب ہے۔

اطاعت امیر کن امور میں واجب ہے

لیکن یہ اطاعت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہ ہوگی کیونکہ حدیث میں ہے:

﴿لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ﴾ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۲۱)
”کسی مخلوق کی خالق کی معصیت میں اطاعت نہیں۔“

ایک عام مغالطہ کا ازالہ

یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو کہا کرتے ہیں کہ متاخرین نے اکابر پرستی، پیر پرستی، معلم پرستی کا بیج بکر اللہ کے بندوں کے گلوں میں غلامی کا طوق ڈال دیا ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کی اطاعت کا شریعت نے حکم دیا ہے بعد شرع انہی کی اطاعت کا متاخرین نے حکم کیا ہے بالخصوص جب کہ اصغر میں آزادی پیدا ہونے سے دین سے بہت دور اور سکون و اطمینان سے بہت عاری ہوتے جاتے ہیں۔

دیکھئے باپ گھر کا حاکم ہے اور اس کی اطاعت کا حکم متعدد آیات و احادیث سے ثابت ہے تو اولاد کو باپ کی اطاعت کرنا کیا والد پرستی ہے؟ اسی طرح زوجہ کو شوہر کی اطاعت کرنا کیا شوہر پرستی ہے؟ ہرگز نہیں! اسی طرح معلمین ظاہری اپنے متعلمین اور معلمین باطنی اپنے مسترشدین کے حاکم ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (پارہ: ۴: سورۃ آل عمران)

”رسول ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔“

نیز حدیث شریف میں ہے:

﴿إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لَوْلَا﴾ (مشکوٰۃ باب الخلاء صفحہ ۴۲)

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں تمہارے لئے مثل والد کے ہوں۔“

اور ایک حدیث میں ہے:

﴿إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ﴾ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۴)

”علماء انبیاء کے وارث ہیں۔“

اس حدیث کے ساتھ ماقبل کی دونوں حدیثوں کے ملائے سے معلوم ہوا کہ اساتذہ اور مشائخ مثل انبیاء کے معلم اور مزکی بھی ہیں اور مثل والد کے شفیق و مہربانی بھی ہیں پھر ان کی اطاعت کو اکابر پرستی سے تعبیر کرنا کم علمی ہی نہیں بلکہ جہل کی علامت ہے اور سخت غلطی اور گمراہی پر مبنی ہے کیونکہ علماء اور مشائخ کی اطاعت کو اکابر پرستی سے تعبیر کر کے عوام کو اس سے آزاد کرنا یہ عوام کے دین و دنیا دونوں کی بربادی کا باعث ہے جیسا کہ آج کے دور میں اس کا کھلا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

یہ تمام بحث شوری اور اولی الامر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے درمیان میں آگئی تھی جو مفید ہونے کی وجہ سے ذرا تفصیل سے لکھ دی گئی۔ سابق میں عرض کیا جا چکا ہے کہ مشورہ، مشاورت اور شوری کی حقیقت کسی امر میں صرف مختلف رائیں معلوم کرنا ہے۔ اور مشورہ دینے والوں کا کام صرف اپنی اپنی رائیں اس امر کے بارے میں ظاہر کر دینا ہے، لیکن ان رائیوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا یا ان سب رائیوں کو چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل اور اس کو نافذ کرنے کا حق صرف اولی الامر (یعنی حاکم) کو ہے خواہ وہ حاکم گھر کا ہو جیسے والد یا اقامت نماز کا ہو یعنی امام، یا مدرسہ کا ہو یعنی مہتمم، یا جج کرانے کا ہو یعنی امیرانج، یا ملک کا ہو یعنی سلطان، یا شہر کا ہو یعنی عامل (کلکٹر)، یا لشکر کا ہو یعنی سپہ سالار (کمانڈر)، یا پچھری کا ہو یعنی قاضی (جج) وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ دنیوی و ملکی نظام قائم کرنے کے لئے ہر محکمہ و شعبہ میں الگ الگ ذمہ دار و امیر ہوتا ہے۔ اور ان کے

ماتحت ان کے تابع و مطیع ہوتے ہیں کیونکہ بغیر اس کے نظام ملکی و دنیوی درہم برہم اور تباہ ہو جاتا ہے۔

دیکھئے محکمہ ڈاک میں امیر ڈاک نشی (پوسٹ ماسٹر) ہوتا ہے۔ اسٹیشن کا امیر اسٹیشن ماسٹر ہوتا ہے، ریل کا امیر گارڈ ہوتا ہے کہ بغیر اس کے حکم کے ڈرائیور گاڑی نہیں چلا سکتا۔ اسی طرح ہر محکمہ کا معاملہ ہے کہ اس کا امیر کار اور اصل ذمہ دار ایک ہی ہوتا ہے۔ ضلع کا امیر کلکٹر اور کشتی کا امیر کشتی، صوبہ کا امیر گورنر ہوتا ہے، محکمہ پولیس کا امیر انسپکٹر جنرل، اور فوج کا امیر کمانڈر ہوتا ہے، پھر ہر شعبہ کا ایک وزیر ہوتا ہے۔ مثلاً وزیر خزانہ، وزیر داخلہ، وزیر خارجہ، وزیر دفاع، وزیر تعلیم وغیرہ اور ان سب کا امیر وزیر اعظم ہوتا ہے تو جب ملکی نظام و انتظام ہر شعبہ و محکمہ کے الگ الگ متعین امیر کی اطاعت کے بغیر نہیں چل سکتا تو دین کا معاملہ بھی اسی طرح سمجھنا چاہئے۔

دین حسن انتظام میں سب سے اعلیٰ ہے

بلکہ دین تو حسن تنظیم اور تکمیل انتظام کا زیادہ سلیقہ اور حق رکھتا ہے، انسانی فطرت اور اختلاف طبائع سے زیادہ واقف ہے، اپنی ابتداء سے لے کر قیامت تک کے انقلابات زمانہ و تغیرات طبائع پر پوری وسعت نظری اور مکمل عمق نگاہی کے ساتھ حاوی ہے، اس لئے فطرت صحیحہ اور مقتضائے عقل کی پوری رعایت اور طبائع انسانیہ کا نشیب و فراز اور ان کا انضباط بطریق احسن و اکمل اس میں بیان کیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا و آخرت دونوں کی زندگی میں اس کی تعلیمات و ہدایات بے حد مفید اور سکھ رائج الوقت کی طرح ہیں۔ چنانچہ اہل دنیا اور کفار نے ملکی (انتظام کا سلیقہ دین اسلام ہی سے سیکھا ہے دنیا اہل اسلام کا لوہا مانے ہوئے ہے۔ خلفاء راشدین کی ملکی تدابیر و انتظام دیکھ کر بڑے بڑے عقلاء حیران رہ گئے۔ اسی جامعیت اور اکمیت کے پیش نظر حق تعالیٰ نے شرعی اور فطری نظام قائم فرمانے کے لئے فرق مراتب کا ضابطہ مقرر فرما

دیا اور ہر شعبہ کے لئے تعین امیر اور اس کی اطاعت کو ماتحتوں کے لئے لازم قرار دے دیا ہے۔

ایک عیسائی کے اسلام لانے کا واقعہ

چنانچہ امام محمدؒ کی مبسوط (جس میں فقہ اسلامی کے دلائل بسط کے ساتھ مذکور ہیں) اس کو دیکھ کر ایک عیسائی عظمت شناس اسلام ہو کر مسلمان ہو گیا اور یہ کہا کہ ”هَذَا كِتَابُ مُحَمَّدٍ كُمْ الْأَصْغَرُ فَكَيْفَ كِتَابُ مُحَمَّدٍ كُمْ الْأَكْبَرُ“ جب تمہارے چھوٹے محمدؐ کی کتاب ایسی ہے تو بڑے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کیسی ہوگی، ان کے علوم کا کیا ٹھکانا ہوگا۔

بیروت کے عیسائی ہدایہ پڑھ کر اسلامی نظام حکومت سے واقف ہو کر حکمرانی اور جہاں بانی کا طریق سیکھتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدیؒ نے بادشاہوں کے حکومت کرنے کے لئے گلستاں، بوستاں کتابیں لکھیں ہیں جن میں لکھا ہے کہ ہر شعبہ کے لئے نگران مقرر کرو۔ انہیں کتابوں اور خلفاء راشدین کے اسلامی انتظام ملکی کے طریقوں سے عیسائیوں نے انتظام ملکی سیکھا ہے۔

اب سوچئے اور غور کرنے کی بات ہے کہ اغیار تو تمام شعبوں میں الگ الگ اور خاص خاص نگران مقرر کریں اور ہر شعبہ و محکمہ کے محکومین کو اس معین شخصیت کی اطاعت کا پابند بنائیں اور ہم لوگ باوجود اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی الْأَكْلُكُمْ زَاعَ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (کہ کان لگا کر سن لو تم سب (اپنی اپنی ذمہ داری کے) نگران ہو اور اپنی رعیت اور ماتحت امور کے بارے میں سوال کئے جاؤ گے) کے متبع نہ ہوں، اس ارشاد عالی نے ہر صاحب امر کو حاکم اور نگران، ذمہ دار بنادیا۔ نیز حدیث شریف میں ہے:

﴿أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنْ اسْتَعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَانَ رَأْسُهُ زَيْبَةً﴾ (مشکوۃ)

شریف ۳۱۹ قال الطیبی شبہ رأسه بالزبیبۃ اما بصغره و اما لان شعور رأسه

مقطعة تحقیر الشانہ۔ (مرقاۃ ۱۹۹/۷)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو اگرچہ حبشی غلام جس کا سر کشمش جیسا ہو تم پر حاکم بنا دیا جائے۔“

اس تشبیہ کے ذریعہ بتلادیا کہ امیر و ذمہ دار اعلیٰ میں کچھ ناگواری کی چیزیں بھی ہوں تب بھی اس کی اطاعت اور ماتحتی میں رہنا ضروری ہے، مخالفت اختیار کرنے کا حق نہیں۔

اولی الامر صرف سلاطین و حکام میں منحصر کرنا درست نہیں

یہاں تک کے بیان سے بالصراحت یہ امر ثابت ہو گیا کہ اولی الامر کو صرف سلاطین و حکام میں منحصر سمجھ لینا اور دیگر اولی الامر کو نظر انداز کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ اہل علم پر مخفی نہیں کہ احادیث میں جیسے سلطان و امیر کے لئے امام کا لفظ مستعمل ہے اسی طرح نماز پڑھانے والے کے لئے بھی امام کا لفظ مستعمل ہے اسی واسطے فقہاء امامت صغریٰ اور امامت کبریٰ کے عنوان سے دونوں کے منصبوں میں فرق کرتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

﴿الْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ أَمِيرٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ وَإِنْ عَمِلَ الْكِبَائِرُ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ وَإِنْ عَمِلَ الْكِبَائِرُ﴾ (مشکوۃ شریف صفحہ ۱۰۰)

”جہاد تم پر ہر نیک و بد امیر کی ماتحتی میں واجب ہے اگرچہ وہ کبار کا مرتکب ہو، اور نماز ہر نیک و بد مسلم کے پیچھے واجب ہے اگرچہ وہ کبار کا مرتکب ہو۔“

اس حدیث میں دونوں اماموں کے بارے میں لوگوں پر اطاعت واجب ہونے کے معاملہ میں یکساں الفاظ ارشاد فرمائے ہیں، اسی طرح حج کے لئے ایک معین فرد کو امیر مقرر فرمایا چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے تو رمضان و شوال و ذیقعدہ تین ماہ ٹھہرے رہے اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنا کر حج کے لئے روانہ کیا۔ (اصح السیر صفحہ ۳۱۲)

اسی طرح زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھی عاملین ہوتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

﴿الْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى بَيْتِهِ﴾ (مشکوۃ صفحہ ۱۵۷)

”کہ صدقہ پر حق کے ساتھ عامل مثل غازی فی سبیل اللہ کے ہے یہاں تک کہ اپنے گھر لوٹے۔“

دوسری حدیث میں ہے:

﴿عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ جَاءَ نَاسٌ يَغْنِي مِنَ الْأَعْرَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا إِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُصَدِّقِينَ يَأْتُونَنَا فَيُظْلِمُونََنَا فَقَالَ ارْضُوا مُصَدِّقِينَكُمْ وَإِنْ ظَلَمْتُمْ﴾ (مشکوۃ شریف صفحہ ۱۵۷)

”کہ جریر بن عبد اللہ نے فرمایا کہ چند لوگ بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے سوانہوں نے کہا کہ کچھ لوگ صدقہ وصول کرنے

والوں میں سے ہمارے پاس آتے ہیں اور ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے صدقہ وصول کرنے والوں کو راضی کر لو اگرچہ تم پر ظلم کیا جائے۔“

دیکھئے یہاں عالمین صدقہ کو خوش رکھنے کی ویسی ہی تاکید ہے جیسی سلاطین کے بارے میں آئی ہے تو ثابت ہو گیا کہ عالمین صدقہ بھی ایک طرح کے امیر ہیں۔ بہر حال مندرجہ بالا بیان سے یہ بات بالکل منقطع اور واضح ہو گئی کہ ہر ہر شعبہ و محکمہ میں ایک امیر ہونا اور بقیہ افراد کا اس کے ماتحت ہونا شریعت اسلامیہ کے مقاصد میں سے ہے یہ اسی لئے ہے کہ اگر زمام اختیار بجائے ایک کے چند افراد کے ہاتھ میں ہو تو عالم میں ضرور فساد آئے گا اور نظام و انتظام تختل ہو جائے گا۔ آیت کریمہ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (پارہ: ۷۷ سورۃ الانبیاء) میں اسی حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔

سفر میں ایک کو امیر بنانے کی حکمت

چنانچہ امام عزالی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث ”کہ سفر میں جب تین آدمی ہوں تو ایک کو امیر بنالیں“ کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں: ”اس واسطے کہ سفر میں رائیں مختلف ہوتی ہیں اور جو کام ایک شخص سے متعلق نہ ہو گا وہ تباہ ہو جائے گا“

(اکسیر ہدایت صفحہ ۲۲۹)

نیز عقل سلیم کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ مدار کار و نفاذ امر کسی شخص واحد ذمہ دار پر ہونا چاہئے کیونکہ انسان کی طبیعت ایسی واقع ہوئی ہے کہ اگر کسی معاملہ انتظامی اجتہادی میں اس کو خلاف طبع دبایا جاتا ہے تو اس کا دل مکدر و منقبض ہو جاتا ہے، اور اس کام کو جذبہ اور امنگ سے نہیں کرتا جیسا کہ اہل تجربہ، اہل عقل پر مخفی نہیں۔ اس لئے اگر امیر و ذمہ دار کو نفاذ امر میں مختار نہ رکھا جائے بلکہ اس کو چند افراد کے ماتحت کر دیا جائے خواہ وہ

اس کے محکومین ہوں یا مشیر کار، تو ذمہ دار و امیر کار کو کام میں دلچسپی نہ رہے گی، ایسی صورت میں بالآخر یقیناً اس حکومت یا ادارہ و شعبہ کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

الغرض نصاً و عقلاً و لغۃً ہر طرح ثابت ہو گیا کہ مشورہ کے بعد نفاذ میں امیر مختار ہوتا ہے اور مشورہ دینے والے اظہار رائے کر کے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک مشورہ اور امارت کی حقیقت واضح کی گئی، آگے اسی کے متعلق چند ضروری امر بیان کئے جاتے ہیں تاکہ اس باب میں مزید بصیرت ہو جائے اور بحث مکمل ہو جائے۔

محل مشورہ کون سے امور ہیں؟

امراؤل: مشورہ کن امور میں ہوگا۔

① روح المعانی میں ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ أَيُّ الْحَرْبِ أَوْ فِيهِ وَفِي أَمْثَالِهِ مِمَّا تَجَرَّي

فِيهِ الْمَشَاوِرَةُ عَادَةً وَإِلَيْهِ ذَهَبَ جَمَاعَةُ﴾ (روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۱۶)

”ان سے خاص امور میں مشورہ لیتے رہا کیجئے یعنی جنگ میں یا اس میں اور

اس جیسے تمام امور میں جن میں عادتاً مشورہ ہوتا ہے یہی ایک جماعت کا

مذہب ہے۔“

② تفسیر مظہری میں ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ أَمْرُ الْحَرْبِ وَغَيْرِهِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالْمَشَاوِرَةِ

وَلَيْسَ فِيهِ عِنْدَكَ عِلْمٌ مِّنَ اللَّهِ تَعَالَى﴾ (تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۱۶۱)

”ان سے خاص امور میں مشورہ لیتے رہئے۔ یعنی امر جنگ میں اور اس

کے علاوہ دوسرے امور میں جن کا مشورہ سے تعلق ہوتا ہے اور اس میں آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم نہ ہو۔“

تفسیر خازن میں ہے:

﴿اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ كُلَّ مَا نَزَلَ فِيهِ وَحْيٌ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى لَمْ يَجْزَلِرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُشَاوِرَ فِيهِ الْأُمَّةَ وَإِنَّمَا أَمْرٌ فِيهَا سِوَى ذَلِكَ مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَمَصَالِحِ الْحَرْبِ وَنَحْوِ ذَلِكَ﴾ (تفسیر خازن صفحہ ۲۹۶)

”علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر وہ چیز جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہو چکی ہو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت سے مشورہ لینا جائز نہیں ہے البتہ اس کے علاوہ دنیوی امور اور مصالح جنگ اور اسی کے مثل چیزوں میں مشورہ کا حکم دیا گیا ہے۔“

مندرجہ بالا تفاسیر سے یہ واضح ہو گیا کہ امیر، جنگ اور اس کے علاوہ ان تمام امور میں مشورہ لے سکتا ہے جن میں کوئی صریح نص نہ آئی ہو۔

مشورہ لینا مستحب ہے یا واجب

امروم: امیر کو مشورہ لینا واجب ہے یا صرف مستحب و مستحسن ہے؟ اس سلسلہ میں مختلف کتب تفسیر سے اس کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے:

﴿قَالَ الْحَسَنُ وَ سَفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ إِنَّمَا أَمْرٌ بِذَلِكَ لِيَقْتَدِيَ بِهِ غَيْرُهُ فِي الْمَشَاوَرَةِ وَيُصِيرُ سُنَّةً فِي أُمَّتِهِ﴾ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۴)

”حضرت حسن بصری اور سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ کا حکم صرف اس لئے حق تعالیٰ نے دیا ہے کہ مشورہ لینے میں دوسرے آپ کی اقتداء کریں اور یہ آپ کی امت کے لئے سنت بن جائے۔“

آگے لکھتے ہیں:

﴿وَشَاوَرَهُمْ يَفْتَضِي الْوُجُوبَ وَ حَمَلَ الشَّافِعِيُّ ذَلِكَ عَلَى الْإِسْتِحْبَابِ﴾ (تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۶۷)

”یعنی لفظ شاور و وجوب کو مقتضی ہے مگر امام شافعیؒ نے اس کو استحباب پر محمول کیا ہے۔“

تفسیر مظہری میں گذشتہ عبارت کے بعد یہ ہے:

﴿اسْتَظْهَرًا بِوَأْيِهِمْ وَ تَطْيِيبًا لِقُلُوبِهِمْ وَ تَمْهِيدًا لِسُنَّةِ الْمَشَاوَرَةِ لِلْأُمَّةِ﴾ (تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۱۶۱)

”آپ ان سے مشورہ لیا کیجئے ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے اور ان کی دلجوئی کے لئے اور امت کے لئے مشاورت کو سنت بنانے کے لئے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ تطیب قلوب اور سنت کی تمہید کے لئے تھا۔ احکام القرآن میں ہے:

﴿الْمَشْوَرَةُ فِيمَا بَيْنَهُمْ فِي مَهْمَاتٍ أُمُورٍ فَلَمْ تَكُنِ الْمَشْوَرَةُ مُسْتَحَبَّةً فِي غَيْرِ الْمَهْمَاتِ﴾ (احکام القرآن صفحہ ۱۰۶)

”اپس میں مشورہ مہمات امور میں ہے پس غیر مہمات میں مشورہ مستحب نہ ہوگا۔“

اس سے مشورہ کا مستحب ہونا صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔ خازن میں آیت مذکورہ کے تحت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّ مَا بِهِ إِلَى مُشَاوَرَتِهِمْ حَاجَةٌ وَلَكِنْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَسْتَشِرَّ بِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ أُمَّتِهِ﴾ (تفسیر خازن صفحہ ۲۹۶)

”یقیناً خدا نے تعالیٰ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ بعد کی امت کے لئے اس کو سنت بنا دیں۔“

صاحب روح المعانی مشورہ لینے کے مختلف فوائد بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

﴿أَوْ أَنْ تَكُونَ سُنَّةً بَعْدَهُ لَا مَتَبِعَ لَهَا ذَهَبَ الْحَسَنُ﴾

(روح المعانی پارہ: ۳ صفحہ ۱۶)

”یا ایک فائدہ اور مقصود یہ ہے کہ آپ کی امت کے لئے آپ کے بعد سنت ہو جائے حسن بصریؒ اسی جانب گئے ہیں۔“

آگے تحریر فرماتے ہیں:

﴿وَيُتَذَكَّرُ مَا أَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ وَابْنُ أَبِي حَتْمٍ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ بِسَنَدٍ حَسَنٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَشَاوَرَهُمْ فِي الْأَمْرِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا أَنْ اللَّهَ وَرَسُولُهُ لَغَنِيَانِ عَنْهَا وَلَكِنْ جَعَلَهَا اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً لِمَتَّبِعِي فَمَنْ اسْتَشَارَ مِنْهُمْ لَمْ يَعدْ رُشْدًا وَمَنْ تَرَكَهَا لَمْ يَعدْ غِيًّا﴾ (روح المعانی پارہ: ۳ صفحہ ۱۶)

”اور اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابن عدی اور بیہقی نے

شعب الایمان میں بسند حسن ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب آیت وشاورہم نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنوا اللہ اور رسول اللہ کو تو مشورہ کی حاجت نہیں لیکن اللہ نے اس کو میری امت کے لئے رحمت بنایا ہے پس جو مشورہ لے گا رشد و ہدایت کو نہ کھوئے گا اور جو چھوڑ دے گا بے راہی نہ کھوئے گا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی حاجت نہ تھی اور شاوَر کے مخاطب اول آپ ہی ہیں۔ پس جب آپ کے لئے یہ صیغہ امر و جواب کے لئے نہ تھا بلکہ امت کے لئے رحمت و سنت بنانا مقصود تھا اور وہ بھی سنت مؤکدہ نہیں بلکہ سنت مستحبہ اور مستحسن بنانا تھا، لفظ رحمت خود اسی کی طرف مشیر ہے۔

بہر حال مشورہ کا وجوب ثابت نہیں ہوا۔ اسی لئے اس کے فضائل تو بیان فرمائے لیکن ترک مشورہ پر توجہ و زجر نہیں فرمایا بلکہ صرف مشورہ کی مدح فرمائی۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْوَالُهُمْ شُرُوزُ يَتَنَبَّهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾ (پارہ: ۲۵ سورۃ الشوری)

”اور (اللہ کے پاس کی بہتر اور پائدار چیز ان لوگوں کے لئے ہے) جنہوں نے اپنے رب کا کہنا مانا اور وہ نماز کے پابند ہیں اور ان کا کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

یہاں اقَامُوا الصَّلَاةَ کے ساتھ مذکور ہونے سے مشورہ کے وجوب کا شبہ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ اس کے بعد وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ بھی ہے اور اقامت صلوٰۃ اور انفاق رزق نقلی طور سے بھی ہوتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے بھی اسی لئے شاوَر

صیغہ امر کو ندب پر محمول فرمایا ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔
صاحب خلاصہ التفاسیر فرماتے ہیں:

”امیر کو اپنے متعلقین سے مشورہ لینا امر مستحسن ہے، بھروسہ اللہ ہی پر چاہئے مگر تدبیر احسن میں کمی نہ کرے۔ مسئلہ: شوریٰ اپنے تابعین سے واجب نہیں اولیٰ ہے ایسے ہی غفو و استغفار (ان کے لئے) واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ تمام امور مفید امیر معین رجوع عوام ہیں پس یہ قرینہ استحباب ہے اور بسا اوقات انتقام، غفو سے نسب اور اخفاء، شوریٰ سے احوط ہوا کرتا ہے۔“ (خلاصہ التفاسیر پارہ: ۴ صفحہ ۳۱۲)

دیکھئے مفتی اعظم حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنوی صاحب خلاصہ التفاسیر نے شوریٰ کے واجب نہ ہونے اور صرف اولیٰ ہونے کی یہ وجہ بھی کیا ہی عمدہ بیان فرمائی کہ بسا اوقات اخفاء، شوریٰ سے احوط ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ اگر آپ کو شمالی جانب غزوہ کرنا ہوتا تو جنوب کے حالات پوچھتے تاکہ مقام حرب کا اخفاء رہے۔

اسی طرح ”مجالس الابرار“ مؤلفہ شیخ احمد روئی جس کی تعریف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے فرمائی ہے اس کے اردو ترجمہ نفائس الازہار میں ہے کہ جب کسی کام کا قصد کرے تو مستحب ہے کہ اس میں مشورہ کرے۔

(نفائس الازہار صفحہ ۳۰۶)

حق تنفیذ صرف امیر کو ہے

امر سوم: مشورہ نافذ کرنے کا حق امیر کو ہے یا مشیروں کو۔ بیانات سابقہ سے واضح ہو چکا کہ امیر خواہ گھر کا ہو یعنی والد یا مدرسہ کا ہو یعنی مہتمم یا ملک کا ہو یعنی امام و سلطان

وغیرہ اس کو مشورہ لینا صرف امر مستحسن ہے نیز مشیرین کا کام صرف اس کو مشورہ دینا اور اپنی رائے ظاہر کر دینا ہے۔

اب اگر امیر ان کے مشورہ پر عمل کرے تو عامل بالمشورۃ اس کو کہنا ظاہر ہے ہی لیکن اگر مشیرین کے مشورہ پر عمل نہ بھی کرے تب بھی مشورہ پر عامل اس کو ضرور کہا جائے گا کیونکہ مشیروں کے مشوروں کے ساتھ اس کا بھی ایک مشورہ شامل تھا اس نے اپنے مشورہ پر عمل کر لیا۔ پھر اگر مشیروں کے مشورہ پر عمل کرے تو اس کو یہ اختیار ہے کہ اکثریت کو ترجیح دے یا اقلیت کو کیونکہ وہ امیر ہے اور امیر با اختیار ہوتا ہے اور مشیر واحد ہو یا جماعت شوریٰ صرف مشورہ دینے والے ہیں با اختیار جماعت یا فرد نہیں جس کی وضاحت مختلف تفاسیر سے آیت **فَإِذَا عَزَمْتَ** کے تحت ماقبل میں آچکی ہے۔

اب ذیل میں بھی مزید تفاسیر مختلفہ سے اس کی تائید نقل کی جاتی ہے۔

① **﴿فَإِذَا عَزَمْتَ﴾** (اَیْ إِذَا عَقَّدْتَ قَلْبَكَ عَلَى الْفِعْلِ وَامْتِصَاءِ بَعْدَ الْمَشَاوَرَةِ) (روح المعانی پارہ: ۴ صفحہ ۱۰۷)

”پس جب آپ عزم کر لیں یعنی مشورہ کے بعد اس کام کے اجراء اور نفاذ پر آپ اپنے دل میں پختہ ارادہ کر لیں۔“

② **﴿فَإِذَا عَزَمْتَ﴾** (عَلَى امْتِصَاءِ مَا تَرِيدُ بَعْدَ الْمَشَاوَرَةِ) فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (ثِقْ بِهِ لَا بِالْمَشَاوَرَةِ) (جلالین شریف پارہ: ۴ صفحہ ۶۳)

”پس مشورہ کے بعد آپ نے جس چیز کا ارادہ کیا ہے اس کے جاری کرنے کا جب آپ عزم کر لیں تو مشورہ پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے۔“

③ **﴿فَإِذَا عَزَمْتَ﴾** (فَإِذَا قَطَعْتَ الرَّأْيَ عَلَى شَيْءٍ بَعْدَ

الشُّورَى ﴿تفسیر مدارک پارہ: ۳ صفحہ ۱۵۰﴾

”پس جب آپ عزم کر لیں (یعنی) جب آپ کسی شئی پر بعد مشورہ کے قطعی رائے قائم کر لیں۔“

﴿فَإِذَا عَزَمْتَ عَلَى شَيْءٍ بَعْدَ الْمَشُورَةِ﴾

(تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

”جب آپ کسی چیز کا مشورہ کے بعد عزم کر لیں۔“

﴿فَإِذَا وَطَّنْتَ نَفْسَكَ عَلَى شَيْءٍ بَعْدَ الشُّورَى﴾

(تفسیر بیضاوی صفحہ ۹۳)

”جب آپ مشورہ کے بعد اپنی طبیعت کو کسی چیز پر جمادیں۔“

﴿فَإِذَا عَزَمْتَ أَيْ عَقِيبَ الْمَشُورَةِ عَلَى شَيْءٍ وَاطْمَأْنَنْتَ بِهِ

نَفْسُكَ﴾ (تفسیر روح البیان صفحہ ۱۱۶)

”پس جب آپ عزم کر لیں یعنی مشورہ کے بعد کسی چیز پر اور آپ کی طبیعت اس کے ساتھ مطمئن ہو جائے۔“

نیز بیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں تحریر ہے۔

”اور بدستور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے تاکہ ان کا اس سے اور دو ناجی خوش ہو، پھر مشورہ لینے کے بعد جب ایک جانب رائے پختہ کر لیں خواہ وہ ان کے موافق ہو یا مخالف ہو سو خدائے تعالیٰ پر اعتماد کر کے اس کام کو کر ڈالا کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے جو خدا تعالیٰ پر اعتماد رکھیں محبت فرماتے ہیں۔“

آگے فائدہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”یہ جو کہا گیا کہ خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف ہو دلیل اس کی یہ ہے کہ لفظ عزم میں کوئی قید نہیں لگائی اور اس سے معلوم ہوا کہ امور انتظامیہ متعلقہ بالرائے و المشورہ میں کثرت رائے کا ضابطہ محض بے اصل ہے ورنہ یہاں عزم میں یہ قید ہوتی کہ بشرطیکہ آپ کا عزم کثرت رائے کے خلاف نہ ہو۔“ (بیان القرآن پارہ: ۳ صفحہ ۶۸-۶۹)

دیکھئے ان تمام مفسرین نے ایک ہی بات بیان فرمائی ہے کہ بعد مشورہ آپ جس رائے کو چاہیں اختیار کر لیں خواہ جانب اقلیت کی یا جانب اکثریت کی یا خود اپنی، اگر مشورہ کے بعد فیصلہ کثرت رائے کے سپرد ہوتا تو فَإِذَا عَزَمْتَ کی بجائے فَإِذَا عَزَمُوا جمع کا صیغہ آتا یا فَإِذَا عَزَمَ اکثَرُهُم فرماتے مگر ایسا نہیں فرمایا بلکہ واحد مخاطب کا صیغہ ارشاد فرمایا۔

ان تفصیلی بیانات و تفاسیر سے ثابت ہو گیا کہ امیر کو ہر طرح کا اختیار ہے۔ اس کی مزید مکمل تائید ”احکام القرآن للبخاری“ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے۔

﴿وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَاوَرَهُمْ فَاطْهَرُوا أَرَآءَهُمْ إِنْ تَأَيَّ مَعَهُمْ وَعَمِلَ بِمَا آدَاهُ إِلَيْهِ اجْتِهَادُهُ﴾

(احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۱)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے تھے اور وہ اپنی اپنی رائیں ظاہر فرماتے تھے تو آپ بھی ان کے ساتھ رائے ظاہر فرماتے تھے اور جس طرف آپ کا اجتہاد پہنچتا عمل فرماتے تھے۔“

آگے مزید تفصیل فرماتے ہوئے صاحب احکام القرآن فرماتے ہیں:

﴿فَجَائِزٌ حِينَئِذٍ أَنْ تَوَافَقَ أَرَآءُهُمْ رَأْيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ وَجَائِزًا أَنْ يُؤَافِقَ رَأْيَ بَعْضِهِمْ وَجَائِزًا أَنْ يُخَالِفَ رَأْيَ جَمِيعِهِمْ فَيَعْمَلُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَئِذٍ بِرَأْيِهِ ﴿١﴾

(احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۱)

”خلاصہ یہ کہ مشورہ میں تین صورتیں ہو سکتی تھیں یہ کہ مشورہ کے وقت صحابہ کی رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے موافق ہو اور یہ بھی ممکن تھا کہ بعض صحابہ کی رائے آپ کے موافق ہو اور یہ بھی ممکن تھا کہ تمام صحابہ کی رائے آپ کے خلاف ہو۔ بہر صورت آپ اپنی رائے پر عمل فرماتے تھے۔“

الغرض تفاسیر مذکورہ کے ساتھ احکام القرآن کی تشریح سے بھی یہ بالکل ثابت ہو گیا کہ نفاذ امر کا اختیار صرف امیر کو ہے۔

دستور غیر شرعی: یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ ہمارے دینی اداروں میں جس جگہ کہ امیر کو مامور اور مشیروں کو امیر کا درجہ دے دیا گیا ہے وہ دستور غیر شرعی ہے۔ یہ غیر شرعی چیز بعض دینی اداروں میں اغیار سے اخذ ہو گئی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دینی اداروں سے اس کو دور کر کے دستور کو شرعی اصول کے مطابق ہی رکھا جائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اور ایسے غیر شرعی نظام پر ملک کے جمہوری طرز حکومت سے استدلال کرنا خصوصاً اہل علم سے بڑی حیرت کی بات ہے کیونکہ مندرجہ بالا بیانات سے منقح ہو گیا کہ شرعی نظام حکومت میں نہ خالص شخصی (ڈکٹیٹر شپ) حکومت کا جواز ہے نہ جمہوریت (سیکولزم) کا جواز ہے بلکہ ایک ایسا امیر ہو جو مشورہ سے نہ تو مستغنی ہو اور نہ مشیروں کا تابع ہو کیونکہ شریعت محمدیہ میں افراط تفریط نہیں، اعتدال اور توسط ہے وَكَذَلِكَ

جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔ (پارہ ۲: سورۃ البقرہ)

لیکن مروجہ جمہوریت میں فیصلہ اکثریت پر ہوتا ہے اور امیر ان کے تابع ہوتا ہے جو بالکل خلاف عقل و فطرت ہے۔

آپ گھر کی حکومت کو لے لیجئے کیا اولاد کثرت رائے سے اپنے باپ کی حکم عدولی کر سکتی ہے اور یہ کہہ سکتی ہے کہ ہم کمار ہے ہیں لہذا آپ ہمارے نوکر ہیں سبزی، گوشت وغیرہ (سودا) لائیے۔ اور جو ہماری شوری پاس کرے وہ کیجئے، ہرگز نہیں کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ باپ حاکم ہے، بیوی اور اولاد اس کی رعیت ہے، سب کو اس حاکم کی اطاعت و احترام واجب ہے یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر والدہ ایک حکم کرے اور والد دوسرا، تو اطاعت والد کی کی جائے گی۔ کیونکہ وہ دونوں کا امیر و حاکم ہے البتہ حسن سلوک میں والدہ مقدم ہے۔

اسی طرح اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان تعداد رکعات میں اختلاف ہو جائے کہ کتنی رکعات پڑھی گئی تو امام کی رائے مانی جائے گی خواہ مقتدیوں کی کتنی ہی کثرت ہو۔ (بعض صورتوں میں یہی حکم ہے تفصیل کتب فقہ سے معلوم ہو سکتی ہے ۱۲ نصیر احمد غنی عنہ)

اسی طرح ادارہ میں احکام مہتمم ہی کے نافذ ہوں گے۔ مشیران ادارہ اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم تو ادارہ کے نوکر ہو، ہیئتہ حاکمہ شوری کو حاصل ہے جو شوری کہے وہ کرو۔ کیونکہ ادارہ کے اندر مہتمم حاکم ہے اور وہ اختیار کامل رکھتا ہے اس میں اور سلطان میں اتنا فرق ہے کہ اس کے ہاتھ میں قوت قاہرہ فوج و خزانہ، پولیس وغیرہ نہیں ہے۔ اس لئے وہ حدود جاری نہیں کر سکتا ورنہ اس کا مقام بھی مثل مقام امارت ہے دیگر سارے افراد ادارہ اس کے مطیع و ماتحت ہیں البتہ مہتمم کو بحیثیت امیر مشیروں سے مشورہ لینا مستحسن ہے لیکن بعد مشورہ ان میں سے کسی ایک مشورہ کو خواہ اکثریت کا ہو خواہ اقلیت کا یا خود اپنا اس کے نافذ کرنے کا اختیار کلی مہتمم ہی کو بحیثیت امیر ادارہ حاصل ہے۔ کیونکہ امور انتظامیہ غیر منصوبہ میں اہل تجربہ کی رائے مقدم ہوتی ہے

اور مہتمم کو امور انتظامیہ میں جتنا تجربہ ہوتا ہے مشیروں اور اہل شوری کو اتنا نہیں ہوتا کیونکہ امور انتظامیہ متعلقہ مدرسین، طلبہ، ملازمین و رابطہ عوام نیز ادارہ کے دیگر تمام شعبہ جات کے اندرونی و بیرونی حالات میں ہر وقت مہتمم ہی کو سابقہ پڑتا ہے۔ لہذا اس کو جو تجربہ ہوتا ہے شوری کو کہاں؟ سو مہتمم جب صاحب معاملہ اور اہل تجربہ ہے تو اسی کی رائے کو ترجیح ہوگی۔

ایسے ہی دنیوی امور متعلقہ بالتجربہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد کے مقابلہ میں صحابہ کرام کے تجربہ کو ترجیح دی ہے جس کی نظیر ”تائیر نخل“ ہے جو کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

نیز سیر کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر ایک مقام پر روانہ فرمایا جس میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ تھے مگر امیر لشکر ایک معمولی درجہ کے صحابی کو بنایا۔ جب اس مقام پر رات کو پڑا ہوا تو امیر لشکر نے حکم دیا کہ جگہ جگہ آگ روشن کی جائے۔ جلیل القدر صحابہ نے اس پر نکیر فرمائی کہ آگ کہ دوزخ اس کا محل ہے آپ اس کا حکم فرماتے ہیں۔ امیر لشکر نے فرمایا کہ میں امیر ہوں آپ کو میرا حکم ماننا چاہئے چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب اس مہم سے فارغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو اس واقعہ کو ذکر کیا گیا، آپ نے امیر لشکر سے معلوم فرمایا کہ تم نے آگ روشن کرنے کا حکم کیوں دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جب لشکر میں جا بجا آگ روشن کی جاتی ہے تو لشکر کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے، میں نے اپنی کثرت تعداد ظاہر کر کے دشمن کے دل میں اپنی دھماک بٹھانا چاہی اس لئے ایسا کیا۔ آپ نے یہ وجہ سن کر ان کی تصویب فرمائی۔ اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ امور متعلقہ بالتجربہ میں امیر کی رائے مقدم ہوتی ہے۔

غرض ثابت ہوا کہ جو امور تجربہ اور معاملہ سے متعلق ہوں اس میں صاحب تجربہ اور صاحب معاملہ کی رائے کو ترجیح ہوگی۔ یہی حال مہتمم و شوری کا ہے کہ شوری کو وہ

تجربہ کہاں ہے جو مہتمم کو ہے۔ غرض ایسے معاملات میں مہتمم کی رائے کو ترجیح ہوگی۔ بات یہ چل رہی تھی کہ حدود شریعت میں رہتے ہوئے امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے چاہے وہ حکم طبائع پر کتنا ہی ناگوار گذرے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔“

① عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيُصْبِرْ فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يَفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شَبْرًا فَيَمُوتُ إِلَّا مَاتَ مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً

(مشکوٰۃ شریف کتاب الامارۃ صفحہ ۳۱۹)

(وفی روایۃ من خرج من السطان قید شبر مات میتۃ جاہلیۃ رواہ بخاری و مسلم۔ نبراس ۳۲۳)

”حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے امیر سے کوئی ناپسند بات دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہئے اس لئے کہ کوئی ایسا نہیں جو جماعت سے بالشت بھر جدا ہو پھر مرجائے مگر جاہلیت کی موت مرے گا۔“

② عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً وَأُمُورًا تُنْكَرُونَ نَهَا قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَذُوا إِلَيْهِمْ حَقُّهُمْ وَاسْلُؤُوا اللَّهَ حَقَّكُمْ

(مشکوٰۃ شریف کتاب الامارۃ صفحہ ۳۱۰)

”عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے بعد خود کو ترجیح دینا اور ایسے امور دیکھو گے جو تم کو ناپسند ہوں گے صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ایسے وقت کے لئے) آپ ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں فرمایا کہ تم

ان کا حق ادا کرو اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔“

یہی سبب ہے کہ حجاج بن یوسف کے مظالم پر بھی صحابہؓ نے صبر ہی کا حکم دیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِ اٰتِيْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَشَكُوْنَا اِلَيْهِ مَا نَلْقٰى
مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ اَصْبِرُوا الْخ (مشکوٰۃ شریف کتاب الفتن صفحہ ۳۶۲)

”زبیر بن عدی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا ہمارے پاس حضرت انس بن مالکؓ تشریف لائے تو ہم حجاج بن یوسف سے جو اذیتیں پہنچ رہی تھی ان کی شکایت کرنے لگے۔ آپ نے ارشاد فرمایا صبر کرو۔“

ملاحیون رحمۃ اللہ علیہ تفسیرات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

وَالْتَابِعُونَ كَانُوا يَقْلُدُونَ مِنَ الْحَجَّاجِ مَعَ اَنَّهُ كَانَ سُلْطَانًا
جَائِزًا كَمَا نَطَقَ بِهِ فِي الْهَدَايَةِ (تفسیرات احمدیہ صفحہ ۱۶۸)

”کہ تابعین حجاج بن یوسف سے عہدہ قبول کرتے تھے باوجودیکہ وہ سلطان ظالم تھا جیسا کہ ہدایہ میں بیان کیا گیا ہے۔“

حاصل یہ کہ باوجود امیر کی کوتاہیوں کے صبر و سکوت کے ساتھ حضرات تابعینؓ ماتحتی رکھتے تھے۔ لہذا ہمیں سلف صالحین کی اتباع کرنی چاہئے، ان کے طرز عمل کو اپنانا چاہئے وہ علم و عمل وفقہ فی الدین میں ہم سے کہیں زیادہ فائق و برتر تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ﴿۱۰﴾ (پارہ ۲۱: سورۃ لقمان)

”ان لوگوں کے طریق کا اتباع کیجئے جو میری طرف رجوع ہوں۔“

اس کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے اس میں ہماری کامیابی کا راز مضمر ہے۔

اطاعت امیر و اقتداء خلیفہ کی شریعت میں یہاں تک تاکید ہے کہ جو امام فاسق ہو اس کی امامت میں بھی جہاد کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم حدیث شریف میں وارد ہے جس کا ذکر ہو چکا۔

اطاعت امیر کی حکمت

اطاعت حکم امیر میں (چاہے وہ گھر کا ہو یا مدینہ کا) کیا امامت نماز کا یا حج کا، حکمت یہی ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کا نظام مختل نہ ہو، انتشار پیدا نہ ہو، اتحاد و اجتماع کی قوت باقی رہے اگر خلاف طبع امور کو برداشت نہ کیا جائے اور اطاعت امیر نہ ہو، اس سے اختلاف و خلاف کیا جائے تو اس سے جو مفاسد ہوں گے وہ موجودہ ناگوار خامیوں سے کہیں زیادہ ہوں گے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے لہذا اذا ابتليت ببليتین فاخترا هونهما کے اصول کے پیش نظر موجودہ خامیوں کو گوارا کرنا ضروری ہے۔

غرضیکہ نظام عالم کے قیام پر سکون کا مدار بڑوں کی اطاعت ہی پر ہے۔ دنیا میں شرعی مصالح کے علاوہ تکنیکی مصالح عقلاً و طبعاً غور فرمائیں کہ ہر باپ اپنے بیٹے سے، مرشد اپنے مرید سے، استاذ اپنے شاگرد سے، رہبر ولیڈر اپنے پیروں سے، سپہ سالار اپنے فوجیوں سے، افسر اپنے ماتحتوں سے، اور بادشاہ اپنی رعایا سے فرمانبرداری کا خواہاں ہے۔

اور ماتحت کے حق میں یہی مفید ہے کہ وہ حق فرمانبرداری بجالائے اسلاف کا اپنے اپنے شعبوں میں دروہ کمال تک پہنچنے کا راز یہی تھا کہ انہوں نے اپنے بڑوں کی نہایت اخلاص کے ساتھ اطاعت و اتباع کی ہے۔ ان کا ادب و احترام اپنے قلوب میں جمائے رکھا۔ اگر کوئی امر منکر کسی امیر سے پیش آیا تو حق بات تو کہدی اور پھر فارغ ہو گئے اور شرعی حدود (یعنی جب تک مرتع حکم شریعت کے خلاف حکم نہ ہوا) میں رہ کر اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچا۔ چنانچہ حق بات کہنے کی تویہ دلیل ہے:

﴿قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةٌ حَقٌّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ﴾ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۲۲)

”افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہی جائے۔“

اور حق بات کہنے کے بعد شرعی حدود میں رہ کر اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچنے کا امر اس حدیث میں ہے:

﴿عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِيَارُ أُمَّتِكُمُ الَّذِينَ تَحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَ تَصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَ يَصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَ شَرَارُ أُمَّتِكُمُ الَّذِينَ تَبْغِضُونَهُمْ وَ يَبْغِضُونَكُمْ وَ تَلْعَنُونَهُمْ وَ يَلْعَنُونَكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا تَنَاهَيْتَهُمْ عِنْدَ ذَلِكَ قَالَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ الْأَمَنَ وَلِيَّ عَلَيْهِ وَالْفِرَاءُ يَأْتِي شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ تَعَالَى فَلْيَكُزَّهُ مَا يَأْتِي مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا يَنْزَعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ﴾ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۱۹)

”عوف بن مالک اشجعیؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تمہارے امیروں میں بہتر وہ ہیں جن سے تم محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت رکھتے ہیں اور جن کے لئے تم دعاء کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے دعاء کرتے ہیں، اور تمہارے برے امیر وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہیں اور جن پر تم لعنت کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس وقت ہم ان سے عہد اطاعت نہ توڑیں، آپ نے فرمایا نہیں جب تک تم میں نماز قائم کریں (پھر مکرر ارشاد فرمایا) نہیں جب تک وہ تم

میں نماز قائم کریں یا دیکھو جس پر کوئی حاکم مقرر کیا جائے پھر دیکھو کہ وہ حاکم اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی کرتا ہے تو اس معصیت کو ناپسند کرے لیکن اس کی اطاعت سے ہرگز ہاتھ نہ کھینچے۔“

لہذا ادارے کے تمام ماتحتوں کو بموجب نصوص اپنے اپنے امیروں کی اطاعت لازم ہے۔ اس کو اپنا ہمدرد سرپرست، یہی خواہ سمجھنا چاہئے، اس سے کوئی غلطی ہو تو ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر حق بات تو کہی جاسکتی ہے لیکن برسرعام کہنے سے توقتہ و فساد ہی کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور ان سب باتوں کی شریعت میں سخت ممانعت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

﴿إِنَّ مِنْ أَرْبَى الرِّبَا الْإِسْطِطَالَةَ فِي عِزِّ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۲۹)

”ناحق مسلمانوں کی آبروریزی کرنا سب سے بڑا سود ہے۔“

دوسری حدیث میں ہے:

﴿عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَفِضْ الْإِيمَانَ إِلَى قَلْبِهِ لَا تَوَدُّوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُواهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعْ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعْ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يُفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ﴾ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۲۹)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر چڑھے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا کہ اے ان لوگوں کی جماعت جو اپنی زبان سے ایمان لے آئے لیکن ایمان ان کے دل تک

نہیں پہنچا تم مسلمانوں کو تکلیف نہ دو اور نہ ان کو عار دلاؤ اور نہ ان کے عیوب کے پیچھے پڑو اس لئے کہ جو اپنے بھائی مسلمان کے عیب کے پیچھے پڑتا ہے اللہ اس کے عیب کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اللہ جس کے عیب کے پیچھے پڑ جاتا ہے اس کو رسوا کر دیتا ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے بیچ میں ہو۔“

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس طرح برسر عام تنقید و تخطیہ سے جو فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کو سخت مبغوض ہے اسی لئے جب حق تعالیٰ نے فرشتوں میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت کا اعلان فرمایا تھا تو فرشتوں نے عرض کیا تھا:

﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ﴾

(پارہ: سورہ البقرہ)

”کیا آپ زمین میں ان کو خلیفہ بنا رہے ہیں جو اس میں فساد اور خون ریزی کریں گے۔“

ظاہر ہے کہ فرشتوں نے انسانی خامیوں میں سے جو زیادہ مبغوض عند اللہ ہیں انہی کا تذکرہ کیا ہے اور وہ فساد ہے، اور خون ریزی اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ حق تعالیٰ نے خود جگہ جگہ کلام پاک میں فساد کی مبغوضیت بیان فرمائی ہے جیسے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ (پ ۲۰ سورۃ القصص)

”اللہ تعالیٰ یقیناً مفسدوں کو پسند نہیں فرماتے۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْأُخْرَىٰ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾ (پارہ: سورۃ القصص)

”یہ دار آخرت ہم ان لوگوں کے لئے خاص کریں گے جو دنیا میں نہ تو برائی چاہتے ہیں اور نہ فساد۔“

لہذا ادارہ کے ہر ماتحت کو فتنہ و فساد سے دور رہ کر اپنے فرائض کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول رہنا چاہئے۔ اگر مدارس دینیہ میں رہ کر فتنہ و فساد سے بچے رہنے کی طبیعت نہ بنی تو پھر مدارس سے نکلنے کے بعد کیا امید کی جاسکتی ہے شیخ ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ لَمْ يَتَأَذَّبْ لِلْوَقْتِ فَوْقَهُ الْمَقْتُ﴾

”جس نے موقعہ پر ادب نہ سیکھا اس کا وہ وقت ناراضگی (الہی) ہے۔“

یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ دنیا میں کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں سارے امور اپنی مرضی کے موافق ہوں اس بات کی امید و توقع ایک لاجاصل چیز ہے۔ حق تعالیٰ ایسی تمنا اور امید پر نکیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّى﴾ (پارہ: سورۃ النجم)

”کیا دنیا میں انسان کو ہر وہ چیز مل سکتی ہے جس کی تمنا کرے۔“

استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا، دوسری آیت میں ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ﴾

(پارہ: سورۃ بنی اسرائیل)

”جو شخص دنیا چاہتا ہے ہم دنیا میں جو چاہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ انسان کی ہر تمنا پوری نہیں ہوتی بلکہ جس کو حق تعالیٰ دینا چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ اسی کو کسی نے خوب نظم کیا ہے۔

ماکل ما یتمنی المرء یدرکہ
تجری الریاح بما لاتشتہی السفن

ایسا نہیں کہ جس چیز کی انسان تمنا کرے اس کو پالے بہت سی ہوائیں کشتی کے ناموافق چلتی ہیں۔ البتہ جنت ایک ایسی جگہ ہے جہاں کی تمام نعمتیں حسب دلخواہ ہوں گی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُیْ اَنْفُسُكُمْ﴾

”تمہارے لئے جنت میں حسب خواہش نعمتیں ہوں گی۔“

مہتمم سے اپنی مرضی کے موافق چاہنا غلط ہے

اس لئے کسی ادارہ اور مہتمم سے یہ توقع رکھنا کہ ہماری خواہش کے موافق سارا نظام ہو یہ بے محل ہے، امیر و مہتمم کی اصلاح کے بجائے خود اپنی اصلاح کا اہتمام ہونا چاہئے اور امیر و مہتمم سے تصادم کے تمام طرق سے اجتناب رکھنا چاہئے۔ اگر کسی وجہ سے ان کی باتوں کا تحمل اور اس کی ہمت نہ ہو تو نہایت خوش اسلوبی اور خندہ پیشانی سے بدون اظہار کشیدگی اور بدول درپے آزار ہوئے خود بخود الگ ہو جانا چاہئے۔

مباش درپے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعت ماغیر ازیں گنا ہے نیست

کسی کے ستانے کے پیچھے مت پڑو اور جو چاہو کرو کہ ہماری شریعت میں اس سے بدتر کوئی گناہ نہیں ہے۔

جدال و نزاع شانِ اہل علم کے بالکل خلاف ہے

غرضیکہ ادارے کے اندر لڑائی جھگڑے، فتنہ و فساد، جدال و نزاع اہل علم کی شان

ووقار اور ان کے بلند مقام کے سراسر خلاف ہے۔ اہل علم کی تو یہ شان ہونا چاہئے جس کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

خودچہ جائے جنگ و جدل و نیک و بد
کیں دلم از صلحا ہم می رمد

یعنی لڑائی اور جھگڑے کی تو یہاں کہاں گنجائش ہے یہ دل تو زیادہ صلح اور دوستوں سے بھی گھبراتا ہے۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا
دل دشمنان ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود این مقام
کہ بادوستانت خلافت و جنگ

میں نے سنا ہے کہ راہ خدا کے جوانمردوں نے دشمنوں کا بھی کبھی دل نہیں دکھایا۔ تجھ کو یہ مرتبہ کیسے میسر ہو کیونکہ تیری تو اپنے دوستوں سے ہی مخالفت اور لڑائی ہے۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ ادارے کے ہر ماتحت کو ان تمام اسباب سے جو فتنہ و فساد کی طرف منجر (لے جانے والے) ہوں دور رہ کر ہمہ تن اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشغول رہنا چاہئے کیونکہ اپنے امیر کی محبت و عظمت، ادب و احترام لازم ہے، اس کو اپنا سرپرست اور خیر خواہ سمجھیں اس پر اعتماد اور اس کے ساتھ حسن ظن رکھیں اور اس کو بڑی عبادت سمجھیں، ارشاد نبوی ہے: حسن الظن من حسن العبادۃ جیسا کہ ابھی ماقبل میں گذرا، نیز مہتمم کے انتظامی امور میں دخل نہ دیں نہ طلباء نہ مدرسین نہ مشیرین، سب اپنا اپنا کام کریں، مشیرین کا کام تو صرف مشورہ دینا ہے اور طلباء کا کام پڑھنا ہے، مدرسین کا کام پڑھانا، پس ان تینوں حضرات کا انتظامی امور میں دخل دینا اپنی حد سے

نکلتا اور قلب موضوع ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کا ارشاد گرامی

میں ایک مرتبہ پاکستان گیا ہوا تھا وہاں میرا شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کا ایک سواری میں ساتھ ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا، دوران گفتگو مولانا نے فرمایا تمام عمر کے تجربہ سے یہ بات محقق ہو گئی کہ مدرسین کا کام تو صرف درس و تدریس ہے، امور انتظامیہ کو مہتمم جانے، ان کو تو امور انتظامیہ میں بالکل دخل نہ دینا چاہئے بس ان کو تو پڑھنے پڑھانے میں لگا رہنا چاہئے۔

مولانا موصوف بڑے بڑے متعدد مدارس میں رہے ہیں اور بعض اختلافات میں بھی ایک مرتبہ شریک ہو گئے تھے ان تمام تجربات کے بعد ان کی مذکورہ پختہ رائے قائم ہوئی ہے تو ان کی رائے کتنی وزن دار اور قابل عمل ہوگی ظاہر ہے۔

جب مدرسین ہی کو انتظامیہ میں دخل نہیں ہونا چاہئے تو طلبہ کو تو بدرجہ اولیٰ دخل ہونے سے الگ رہنا ضروری ہے اور مشیروں کو بھی دخل اس لئے نہیں ہونا چاہئے کہ ان کا کام صرف مشورہ دینا ہے اور بس۔ جیسا کہ مشورہ کا طریق ہے جس پر اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نظائر آگے آرہے ہیں نیز مشیرین حضرات صاحب معاملہ نہیں اس لئے نشیب و فراز اور طبائع طلبہ اسی طرح دیگر امور انتظام سے سابقہ نہ پڑنے کی وجہ سے بروقت کسی امر میں حقیقت شناسی سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض مرتبہ مدرسہ کے بعض صاحبان اپنے معاملہ کو ممبران شوریٰ کے سامنے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ممبران میں سے بھی بعض یا اکثر ان کی غلط بات کو عدم تجربہ اور سابقہ نہ پڑنے کی وجہ سے سچ سمجھ لیتے ہیں اور ان کی بات قبول کر لیتے ہیں جس سے

طلبہ اہتمام کے مقابلہ میں جبری ہو جاتے ہیں جو طلبہ و ادارہ دونوں کے لئے سخت خسارہ کی بات ہے۔ پھر جیسا کہ سابقہ مذکور ہو اڑوں سے بھی اگرچہ اجتہادی خطا ہو جاتی ہے مگر اس پر گرفت غلط اور ناجائز ہوتی ہے پھر اس غلطی کو اچھال کر اہتمام پر تبصرہ اور اس کی تنقیص تخطیہ پھر خلاف و جدال وغیرہ خرابیاں ظہور میں آتی ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔

صحابہؓ کا تخطیہ ناجائز اور بعض اہل قلم کی غلطی

جب مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات منقح ہو گئی کہ خطا اجتہادی تو بڑوں سے بھی ہو سکتی ہے لیکن ان پر تنقید و تبصرہ وغیرہ برسرعام کرنے سے گریز لازم ہے۔ تو یہاں سے بعض اہل قلم کا غلطی پر ہونا معلوم ہو گیا جو بغیر نص صریح کے محض تاریخی واقعات پر اعتماد کر کے یا صرف ظن و تخمین سے کسی صحابی کو خطا سے موسوم کر کے برسرعام اپنی تقریروں و تحریروں میں تنقید و تبصرہ کرتے ہیں، اپنی تقریر و تحریر کی رو میں حد سے متجاوز ہو جاتے ہیں جبروت اور بیباکی سے تنقید و اعتراض کرتے ہیں اور اس کی برائی محسوس نہیں کرتے، حالانکہ صحابہؓ میں سے بہت سے حضرات کے خاص خاص فضائل اور تمام صحابہؓ کے عام فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں اور ان فضائل کا لحاظ رکھنا امت پر لازم فرما دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ شَرَّ أُمَّتِي أَجْزَأُ هُمْ عَلَى أَصْحَابِي﴾ (رواہ ابن عدی)

”میری امت کے بدترین افراد میرے صحابہ پر جرات کرنے والے ہیں۔“

اور ارشاد ہے:

﴿لَعَنَ اللَّهُ مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي﴾ (رواہ الطبرانی)

”لعنت کرے اللہ تعالیٰ ان پر جو میرے صحابہؓ کو برا کہیں۔“

اور ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اخْتَارَنِي وَ اخْتَارَ لِي اصْحَابًا فَجَعَلَ لِي مِنْهُمْ وَرَرَاءَ وَ
اَنْصَارًا فَمَنْ سَبَّهُمْ فَقَلْبِي لَعْنَةُ اللَّهِ وَ الْمَلَكَةُ وَ النَّاسُ اَجْمَعِينَ
وَ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُمْ صَرْفًا وَ لَا عَدْلًا﴾ (مظاہر الحق جلد ۴ صفحہ ۵۷۸)

”اللہ تعالیٰ نے مجھ کو منتخب فرمایا اور میرے لئے ساتھی مقرر فرمائے جن میں سے میرے معاون و مددگار بنائے جو انھیں برا کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ ان برا کہنے والوں کا فرض نفل کچھ قبول نہ فرمائیں گے۔“

اور ایسی احادیث کثیر در کثیر ہیں جن میں صحابہ کے بارے میں بدزبانی بدگمانی کرنے پر ان کی عظمت و محبت کے خلاف بغض و نفرت کا برتاؤ کرنے پر سخت سخت وعیدیں وارد ہیں۔

عظمت صحابہؓ

اور کیوں نہ ہوں فی الواقع حضرات صحابہ کی ذوات باصفات وہ ہیں کہ اگر قرآن و حدیث میں ان کے فضائل وارد نہ ہوتے تب بھی ان کے کارنامے ایسے ظاہر و باہر ہیں جن کو ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام پر حضرات صحابہ کا اپنی جانیں اور مال اور اولاد سب کو قربان کر دینا اور ہر کام پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضیات کے اتباع کو وظیفہ زندگی بنانا اور اس کے لئے ایسے مجاہدات کرنا جن کی نظیر پہلی امتوں میں نہیں ملتی۔ دوسرے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

و عظمت اور صدور خطا کے وقت ان کا خوف و خشیت اور فوراً توبہ کرنا بلکہ اپنے کو سزا جاری کرنے کے لئے پیش کر دینا اور اس پر اس اصرار کرنا روایات و احادیث میں معروف و مشہور ہے جو اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔

تیسرے اقامت دین اور نصرت اسلام کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی عسرت و تنگدستی اور مشقت و محنت کے ساتھ ایسے معرکے سر کرنا جس کی اقوام عالم میں نظیر نہیں، اسی لئے علامہ سفارینیؒ فرماتے ہیں۔

﴿لَوْلَمْ يَرِدْ عَنِ اللَّهِ وَلَا عَنْ رَسُولِهِ فِيهِمْ شَيْءٌ لَا وَجِبَتْ الْحَالُ
الَّتِي لَانُوا عَلَيْهَا مِنَ الْهَجْرَةِ وَالْجِهَادِ وَنُصْرَةِ الدِّينِ وَبَدَلِ
الْمُهْجِ وَالْأَمْوَالِ وَقَتْلِ الْأَبَاءِ وَالْأَوْلَادِ وَالْمُنَاصِحَةِ فِي الدِّينِ
وَقُوَّةَ الْإِيمَانِ وَالْيَقِينِ الْقَطْعِ بِتَعْدِيلِهِمْ وَالْإِعْتِقَادُ لِنَزَاهَتِهِمْ
وَأَنَّهُمْ أَفْضَلُ جَمِيعِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهِمْ هَذَا مَذْهَبُ كَافَّةِ الْأُمَّةِ
وَمَنْ عَلَيْهِ الْمَعُولُ مِنَ الْأِيْمَةِ﴾

(عقیدہ سفارینیؒ جلد ۲ صفحہ ۳۳۸ بحوالہ مقام صحابہ)

”اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کی فضیلت میں کوئی بات بھی منقول نہ ہوتی تب بھی ان کی عدالت پر یقین اور پاکیزگی کا اعتقاد رکھنا اور اس بات پر ایمان رکھنا ضروری ہوتا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساری امت کے افضل ترین افراد ہیں اس لئے کہ ان کے تمام حالات اسی کے مقتضی تھے انہوں نے ہجرت کی، جہاد کئے، دین کی نصرت میں اپنی جان مال کو قربان کیا، اپنے اعزہ اقارب کو حتیٰ کہ باپ کی، بیٹیوں کی قربانی پیش کی، دین کے معاملہ میں باہمی خیر خواہی کی اور ایمان و یقین کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔“

حق تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا اور دین کا ان کو واسطہ اور رابطہ بنایا تو ان کو یہ خصوصی اعزاز بھی عطا فرمایا کہ اسی دنیا میں ان سب حضرات کی خطاؤں سے درگزر اور معافی اور اپنی رضا و رضوان کا اعلان بھی کر دیا اور ان کے لئے جنت کا وعدہ قرآن پاک میں نازل فرمایا، ارشاد ربانی ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمَ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتِ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝﴾ (پارہ: ۱۰ سورۃ التوبہ)

اس آیت شریفہ میں تمام مہاجرین کے بارے میں حق تعالیٰ نے تعریف و توصیف میں فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو خدا کی راہ میں لگا دیا ان کے خدا کے نزدیک بہت بڑا مرتبہ ہے یہ لوگ پورے کامیاب ہیں اس پر پروردگار نے اپنی طرف سے بڑی رحمت و رضوان اور دائمی نعمتوں والے باغات کا انعام فرمایا۔ اسی طرح سورہ انفال میں فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝﴾

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے تمام مہاجرین و انصار کی تعریف فرمائی ہے اور ان کے سچے کچے مومن ہونے کی شہادت دی ہے اور مغفرت و رزق کریم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اسی طرح آیت:

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ

بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۝﴾ (سورۃ توبہ)

میں تمام صحابہ کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ اللہ ان سے سب راضی ہو گیا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو سب اگلی پچھلی چیزوں کا علم ہے لہذا کسی کے واسطے رضاء الہی کا اعلان اس کی ضمانت ہے کہ اس کا خاتمہ اور انجام بھی حالت صالحہ پر ہوگا اور اس سے رضاء الہی کے خلاف کوئی کام آئندہ بھی نہ ہوگا۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝﴾

(پارہ: ۲۶ سورۃ الحجرات)

اس آیت میں بھی بلا استثناء تمام صحابہ کرام کے لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کی محبت اور کفر و فسق اور گناہوں کی نفرت ڈال دی۔ اس جگہ فضائل صحابہ کی سب آیات کا استیعاب مقصود نہیں، ان کے مقام و مرتبہ کو ثابت کرنے کے لئے یہ چند آیات مذکورہ بھی کافی ہیں، ان سے ان کا مقبول عند اللہ ہونا اور جنت کی ابدی نعمتوں سے ان کا سرفراز فرمایا جانا ثابت ہو گیا۔

یہ ارشادات اس ذات حق کے ہیں جو سب کو پیدا کرنے والا ہے اور پیدائش سے پہلے ہر انسان کے ایک ایک سانس ایک ایک قدم سے اور اچھے برے عمل سے خوب واقف ہے جو بھی وقوع میں آنے والے ہیں اس نے صحابہ کرام کے بارے میں جو اپنی رضاء کامل اور جنت کی بشارت دی ہے ان سب واقعات و معاملات کو جانتے ہوئے دی ہے جو ان میں سے ہر ایک کو عہد رسالت میں یا اس کے بعد پیش آنے والے تھے اسی لئے علماء حق کے قلوب میں حضرات صحابہ کی عظمت و وقعت اور ان کی عزت و محبت پورے طور پر موجود ہے۔

حضرت حکیم الامتہ تھانویؒ کا ارشاد گرامی

منجملہ علماء حق و اکابر محققین کے ہمارے حضرت (حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ) فرماتے ہیں کہ صحابہ کا (سب سے بڑا) کمال یہ تھا کہ انہوں نے ان آنکھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کی زیارت کی تھی یہ وہ کمال ہے کہ اس میں ان کی کوئی برابری نہیں کر سکتا نہ عمر بن عبد العزیز جو کہ اپنے زمانہ کے مجدد اور قطب وقت تھے اور بوجہ عدل و اتباع سنت کے خاص الخلفاء الراشدین شمار کئے جاتے ہیں نہ اولیس قرنی جو افضل التابعین ہیں جن کے بارے میں علماء امت کا خیال یہ ہے کہ وہ گو صحابی نہیں مگر ثواب میں صحابہ کے قریب قریب ہیں مگر پھر بھی ان جیسے نہیں کیوں کہ حضرت اولیس قرنی کے پاس وہ دو آنکھیں کہاں تھیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہر مبارک کی زیارت کی ہو اگرچہ ان کے فضائل بے شمار ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر صحابہ کو ارشاد فرمایا تھا کہ ایک شخص یمن کا رہنے والا اولیس قرنی نام کا آئے گا اگر ان سے ملو تو میرا سلام پہنچا دیجیو، اور ان سے اپنے لئے دعاء کراؤ۔ اللہ اکبر! اتنے بڑے درجہ کے شخص ہیں مگر صحابہ کے برابر پھر بھی نہیں بس افضل التابعین ہیں۔

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے (انہیں دو شخصوں حضرت عمر بن عبد العزیز اور حضرت اولیس قرنی کا ذکر کر کے) کسی نے سوال کیا تھا حضرت معاویہؓ (ان دونوں کے مقابلہ میں) کیسے ہیں؟ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اس سوال سے بہت جوش آیا، فرمایا کہ اگر امیر معاویہؓ گھوڑے پر سوار ہوں اور ایڑیاں مار کر اللہ کے راستہ میں اس کو دوڑائیں تو جو خاک معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں رینٹ سے ملی ہوئی ہوگی عمر بن عبد العزیز اور اولیس قرنی جیسے ہزاروں سے وہ خاک بھی افضل ہے۔ (اس کے بعد حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں) واقعی حضورؐ کی زیارت نے صحابہ کو وہ رتبہ بخشا ہے کہ

بڑے سے بڑے ولی بھی حتیٰ کہ امام مہدی بھی ایک ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتے اور یہ حق تعالیٰ شانہ کا بہت ہی بڑا فضل و احسان امت محمدیہ کے حال پر ہے کہ ہمارے ”سلف“ خلف پر صحابہ کی فضیلت کو پوری طرح منکشف کر دیا کہ سب نے اس پر اجماع و اتفاق کر لیا کہ الصحابة کلہم عدول و افضل الخلائق بعد الانبیاء اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی صحابہ سب کے سب معتبر اور ثقہ ہیں ان میں کوئی شخص غیر معتبر نہیں اور تمام مخلوق میں بعد انبیاء علیہم السلام کے سب سے زیادہ افضل صحابہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور صحابہ کی نسبت حضرات سلف صالحین کا یہ اجماع محض حسن اعتقاد ہی کی بناء پر نہیں بلکہ خود ان کے احوال و اعمال سے ان کی دیانت اور راست بازی و پرہیز گاری ایسی کھلی ہوئی نظر آتی ہے کہ موافق تو موافق مخالف تک اس کا اقرار کئے ہوئے ہیں جس پر تاریخ گواہ ہے جس کے بعد اس قول میں کچھ بھی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ الصحابة کلہم عدول۔

حضرات صحابہ کی اس فضیلت کے انکشاف سے صرف یہی نہیں کہ دین کی حفاظت ہوگئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان کی فضیلت کے اقرار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت بڑھ گئی ”یہ قاعدہ ہے“ کہ جس قدر صحابہ کے ساتھ اعتقاد بڑھتا ہے اسی قدر حضور کے ساتھ محبت بڑھتی ہے اور جس قدر کسی کو بے اعتقادی ہوتی ہے اسی قدر حضور کے ساتھ محبت میں کمی ہو جاتی ہے۔

”الغرض“ صحابہ میں ایک ایسی بات ہے جو کسی امتی کو نصیب نہیں وہ یہ کہ انہوں نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا اور حضور کے ہاتھ میں اپنے آپ کو سپرد کر دیا پھر حضور کی برکت سے وہ وہاں پہنچے جہاں ہزار برس کے مجاہدوں سے بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ (وعظہ الجلاء لا یتلاءم)

نصوص قرآنیہ و حدیثیہ و ارشادات اکابر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرات صحابہ کا

مقام و مرتبہ نہایت بلند و با عظمت ہے اس لئے ان کی تنقیص یا ان پر تنقید کا کسی کو کوئی حق نہیں، اور ان کی بُرائی تقریر و تحریر میں ہرگز روا نہیں ہو سکتی بلکہ سخت بے ادبی اور گستاخی ہے۔

نیز ان کی وقعت و عظمت اور ان سے محبت رکھنا ایمان و اسلام کی مضبوطی و حفاظت کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے عامۃً ان کی کسی خطاء اجتہادی کا تذکرہ بھی درست نہیں ان کے ادب و احترام کے بھی خلاف ہے اور اہل اسلام کے لئے بھی مضر ہے۔

ایک ضروری تشبیہ

گو خطاء اجتہادی شرعاً قبیح نہیں ہے مگر عوام لفظ ”اجتہادی خطاء“ کے باریک فرق کو نہیں سمجھتے بلکہ وہ خطاء اور اجتہادی خطاء دونوں کو ایک جانتے ہیں اس لئے اس بحث کو منظر عام پر لانے سے عوام میں صحابہ کرام کی شان میں جرات و بیباکی پیدا ہو جاتی ہے جو بذات خود ایک زبردست مفسدہ ہے جس سے حذر و اجتناب لازم ہے کیونکہ اس طرح صحابہ پر تنقید و تبصرہ بلکہ تنقیص و تدلیل کا دروازہ کھل جاتا ہے لہذا اہل علم کو اس بحث سے جو عوام کے عقائد کو برباد کرنے والی ہے سخت احتیاط کرنا چاہئے ورنہ اہل علم اس گمراہی کا سبب ہوں گے۔

حدیث شریف میں وارد ہے:

مَنْ مَنَّ سَنَةً سَيَبُتَ فَلَهُ وَرْزُهَا وَوَرَزُ مَنْ عَمِلَ بِهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

جس کا حاصل یہ ہے کہ غلط طریق اختیار کرنے سے جو لوگ اس غلطی میں پڑیں گے سب کا ذمہ دار، سب جتنا گنہ گار اول شخص ہوگا۔ پس صحابہ کی عظمت یہ دین متین کی حفاظت کی پہلی اینٹ ہے گراہی کی عظمت

میں کچی پیدا ہو گئی تو پھر دین کی خیر نہیں جیسا کہ ”ایسی جماعت“ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دین میں اپنی رائے سے تغیر پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ اللہم احفظنا منہ۔

امت کے بگاڑ کا علاج

در اصل یہ امت کے بگاڑ کی حالت ہے اور اس کا اصلی سبب اپنے اسلاف و اکابر کے طریق اور اپنے امیر کی اطاعت سے نکل جانا ہے۔ لہذا اس صفت اصلہ اطاعت امیر کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے اکابر کی کامیابی کا راز یہی سچ و طاعت تھا۔ آج بھی ہم اسلاف و اکابر اور اطاعت امیر دل سوزی و خلوص سے کرنے لگ جائیں تو پھر کامیابی ہمارے قدم چوم سکتی ہے۔

یہاں پہنچ کر شاید کسی کو یہ خلیجان ہو کہ دلائل و براہین کے اعتبار سے تو یہ بات سمجھ میں آگئی کہ امور غیر منصوصہ متعلقہ بالا نظام میں امیر و مہتمم بعد الشوریۃ نفاذ میں مختار ہے اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ اختلاف کی صورت میں اسی کی رائے کو ترجیح ہو لیکن بعض وقت حالات اس نوع کے ہو جاتے ہیں کہ آپس میں رفع نزاع کی صورت نہیں بنتی یا تو اس وجہ سے کہ مہتمم بوجہ ہم عصر ہونے کے بعض کے نزدیک قابل ترجیح نہیں ہوتا یا بعض حالات میں مہتمم کو مثل فریق سمجھ لیا جاتا ہے گو یہ رائے دلائل کی روشنی میں مجوح ہے جیسا کہ مفصلاً بیان کیا گیا لیکن چونکہ مہتمم کے پاس قوت قہریہ نہیں ہے اس لئے رفع نزاع کی کیا صورت ہوگی؟

حل اس کا یہ ہے کہ ایسی صورت میں مدرسہ کا ایک ایسا سرپرست ہو جو سب کے نزدیک مسلم ہستی ہو، اس کی عظمت قلوب میں ہو۔ وہ علم و عمل کا جامع ہو، اس کے سامنے حالات رکھے جائیں وہ جو فیصلہ فرمادے اس پر سب متفق ہو جائیں یہ رفع

اختلاف کی بہترین بے ضرر صورت ہے۔ سلف میں اس کی مسلم نظیر حضرت مولانا گنگوہیؒ ہیں کہ جب ان کے زمانہ سرپرستی میں اہل مدارس میں اختلاف ہوتا تھا تو آپ کی طرف رجوع کر کے اختلاف کو ختم کر دیا جاتا تھا جس پر یہ واقعہ شاہد عدل ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے زمانہ سرپرستی میں ایک رئیس شیخ زادے نے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا ممبر بننا چاہا چونکہ وہ صاحب شرائط ممبری پر پورے نہ اترتے تھے اس لئے مولانا گنگوہیؒ نے ان کی ممبری سے صاف انکار فرمادیا، چونکہ وہ صاحب ریاست و منصب والے تھے اس لئے اس پر بہت شورش برپا ہوئی۔ حتیٰ کہ مدرسہ بند ہونے کے قریب ہو گیا اس پر بعض اہل شوریٰ اور مہتمم مدرسہ کی رائے یہی ہو گئی کہ ان رئیس صاحب کو دفع فتنہ کے لئے ممبر بنالیا جائے اسی میں مصلحت ہے حتیٰ کہ حضرت والا مولانا تھانویؒ نے بھی حضرت مولانا سے عرض کیا کہ پضررت اس وقت شورش بہت ہو رہی ہے۔ قریب ہے کہ مدرسہ کوتالا لگ جائے ایسی صورت میں رفع فتنہ و شر کے لئے اگر ان کو ممبر بنالیا جائے تو کیا حرج ہے، اکثریت تو حضرت کے خدام ہی کی ہوگا، ان ایک صاحب کا کیا اٹھے گا۔

اس پر حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک دینی معاملہ ہے اس میں نااہل کو ممبر بنانا جائز نہیں، میں اس ناجائز کار تکاب نہیں کر سکتا۔ رہا مدرسہ تو اگر بند ہوگا تو اس کا وبال ہم پر نہیں پڑے گا بلکہ ان لوگوں پر پڑے گا جو شورش برپا کر رہے ہیں پھر ہمیں اس کی کیا فکر؟ اور اگر نااہل کو ممبر بنالیتے ہیں تو اس کی ہم سے پوچھ ہوگی ہم کو اس کی فکر چاہئے الغرض حضرت مولانا کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔ اس مضبوطی کی برکت سے کچھ دن بعد وہ فتنہ رفع ہو گیا۔

تو دیکھئے اس صورت اختلاف میں رفع اختلاف اس طرح کیا گیا کہ سرپرست کی رائے کو فیصل قرار دیا گیا اور عقل کا مقتضی بھی یہی ہے کہ اختلاف کا کوئی منتہی ضرور ہونا چاہئے ورنہ اختلاف ختم ہی نہ ہوگا اور امور ضروریہ معطل رہ جائیں گے۔ عدالت مجازی

میں اس کی نظیر مراحم خسروانہ ہے کہ ماتحت عدالتوں نے کسی شخص کے بارے میں کوئی فیصلہ کر دیا مثلاً کسی کے قتل کا اس نے صدر مملکت کے یہاں درخواست دے دی اور صدر نے اس کو منظور کر لیا اور قاتل کو رہا کر دیا گیا تو تمام عدالت ہائے ماتحت، ہائی کورٹ، سپریم کورٹ سب اس کو تسلیم کر لیتے ہیں کوئی ناگواری کا اظہار نہیں کرتا، اسی طرح سرپرست کی رائے کے بعد اس پر تمام اہل اختلاف کو متفق ہو جانا چاہئے ورنہ تو سرپرست بے کار ہوا۔ اکی وجہ سے حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نے دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی سے استعفاء دے دیا تھا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت (مولانا تھانویؒ) کے زمانہ سرپرستی میں قاعدہ یہ تھا کہ اہل شوریٰ جو تجاویز پاس کرتے تھے وہ سرپرست ہونے کی حیثیت سے حضرت والا کے پاس تھانہ بھون آتی تھیں حضرت ان پر نظر فرماتے، کچھ حذف و اثبات کے بعد واپس فرمادیتے تھے لیکن اہل شوریٰ حضرت والا کی ترمیم کو نظر انداز فرما کر فیصلہ فرمادیتے تھے جب چند مرتبہ ایسا ہوا تو حضرت والا نے سرپرستی سے استعفاء بھیج دیا اور فرمایا کہ سرپرستی کہاں ہے سرپرست کی بات ہے۔ جب حضرت کا استعفاء دارالعلوم پہنچا تو پچھلے چچ گئی اور مہتمم صاحب مح چند اہل شوریٰ کے تشریف لائے، گفتگو ہوئی حضرت نے فرمایا کہ جب میری ترمیمات کو قبول نہیں کیا جاتا تو سرپرستی سے کیا فائدہ ہے اس لئے میں نے استعفاء دے دیا۔ اس پر ایک ممبر صاحب نے فرمایا کہ جب سرپرست کی رائے ہی اصل ہوئی تو شوریٰ بے کار ہے۔

حضرت والا نے جواباً ارشاد فرمایا کہ شوریٰ بے کار نہیں، بات یہ ہے کہ ایک شخص کی رائے تمام پہلوؤں کو حاوی نہیں ہوتی، شوریٰ کا فائدہ یہ ہے کہ معاملہ کے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں پھر اہل شوریٰ میں سے کسی کے ذہن میں کوئی مفید صورت آجاتی ہے سرپرست اس کو قبول کر لیتا ہے یہ فائدہ ہے شوریٰ کا تو شوریٰ باکار ہوئی بے کار نہ ہوئی۔

تو دیکھئے سرپرست کی بات کو منتہی نہ ماننے سے حضرت والا نے استعفاء دے دیا۔ معلوم ہوا کہ آخری فیصلہ کے لئے سرپرست کی رائے کو منتہی ماننا ضروری ہے۔ سرپرست کی رائے مثل مرکز ہے اور قاعدہ ہے کہ رجوع مرکز کی طرف ہوتا ہے اسی لئے کئی زندگی میں باوجود صحابہ کرامؓ کے چاہنے اور خواہش کرنے کے جہاد فرض نہیں کیا گیا کیونکہ اپنا کوئی ایسا مرکز نہ تھا جس کی طرف ضرورت کے وقت رجوع ہو سکے۔ جب مدینہ شریف میں مرکز قائم ہو گیا تو دوسرے ہی سال بدر میں تمام سامان جنگ سے لیس ہر طرح سے مضبوط ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ صرف تین سو تیرہ کو اور وہ بھی گویا نہتے جہاد کرنے کا حکم فرمادیا کیونکہ فرضیت جہاد کی بڑی شرط مرکز ہے جو کہ وہ جہاد کے لئے علت ہے وہ قائم ہو چکا تھا، یہ بات ضمناً مرکز کے ذکر پر آگئی تھی، پس سرپرست کو مثل مرکز سمجھنا چاہئے اور اس کے فیصلہ کو آخری فیصلہ جان کر اختلاف بالکل ختم کر دینا چاہئے۔

یہ تمام بحث ضمناً آگئی تھی جو ضروری اور حالات حاضرہ کے اعتبار سے مفید ہونے کی وجہ سے یہاں ذکر کر دی گئی۔ اصل مضمون شوریٰ کے بارے میں تھا کہ نفاذ میں امیر مختار ہے یا شوریٰ کا تحت ہے سو بھد اللہ تعالیٰ متعدد آیات و احادیث اور ان کی تفسیر و شروح سے یہ بات ثابت، مثبت ہو گئی کہ امیر نفاذ میں اصل مختار ہے۔

اب حسب وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور خلفاء راشدین کا تعامل باب مشاورت میں پیش کیا جاتا ہے جس کا اتباع بموجب حدیث علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدين المہدیین (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۰) ہمارے لئے ضروری ہے

اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در باب مشاورت

پہلا واقعہ صلح حدیبیہ: آیت کریمہ و مشاورہم فی الامر فاذا عزمتم فتوکل

علی اللہ کی شرح میں پہلے تفصیلاً یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ مشیروں کا کام صرف مشورہ دینا ہے، امام کو اختیار ہے کہ ان میں سے کسی کی رائے پر عزم کر کے نفاذ کرے یا اپنی رائے پر عزم کر کے نفاذ کرے، اس کی سب سے بڑی نظیر صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے جس کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں امن و امان کے ساتھ گئے اور عمرہ کر کے حلق و قصر کیا، آپ نے یہ خواب صحابہ سے بیان فرمایا، اگرچہ آپ نے مدت کی تعیین نہیں فرمائی تھی مگر شدت اشتیاق سے اکثر صحابہ کا خیال اس طرف گیا کہ امسال عمرہ میسر ہو گا اور پھر آپ کا قصد بھی عمرہ کا ہو گیا۔ سو آپ بقصد عمرہ تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ چلے اور ہدی (قربانی کے جانور) بھی آپ کے ساتھ تھے، جب یہ خبر مکہ پہنچی تو قریش نے بہت سا مجمع کیا اور اتفاق کر لیا کہ آپ کو مکہ نہ آنے دیں گے، آپ نے حدیبیہ ہی میں قیام فرمایا اور صحابہ سے بیعت لی جو بیعت رضوان کہلاتی ہے، پھر مکہ کے بعض رؤسا بغرض صلح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سہیل نے قریش کا پیغام آپ کو پہنچایا کہ اس سال واپس ہو جائیں اور اگلے سال عمرہ کے لئے آجائیں اور تین روزہ مکہ میں قیام کریں، صحابہ کرامؓ عموماً اس پر راضی نہ تھے کہ اس وقت احرام بغیر عمرہ کے کھول دیں۔ آخر طویل گفتگو کے بعد صلح نامہ لکھنا قرار پایا، آپ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم کہیل نے کہا رحمن و رحیم ہمارے محاورات نہیں ہیں ہاں پرانا کلمہ باسمک اللہم لکھوائے، آپ نے اس کو مان لیا، پھر آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا لکھو:

هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالُوا لَا نُقَرِّبُهَا فَلَوْ
نَعْلَمُ إِنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ مَا مَنَعْنَاكَ لَكِنْ إِنَّكَ مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ
قَالَ أَنَا رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَا مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لِعَلِيٍّ أُمِّحْ رَسُولُ

اللَّهُ قَالَ لَا وَاللَّهِ مَا آمَنَ خَوْكَ أَبَدًا ﴿٣٤﴾ (بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۷۲)

”یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی ہے، قریش نے کہا ہم آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول جانتے تو آپ کو نہ روکتے ہاں آپ محمد بن عبد اللہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبد اللہ بھی ہوں، پھر آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا رسول اللہ کو مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ واللہ میں کبھی نہ مٹاؤں گا۔“

معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۶۱ میں ہے کہ حاضرین میں سے حضرت اسیدؓ بن حضیر اور سعد بن عبادہ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اس کو نہ مٹائیں اور بجز رسول اللہ کے اور کچھ نہ لکھیں اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ان کے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی اور کچھ آوازیں ہر طرف سے بلند ہونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ کا کاغذ اپنے دست مبارک میں لے لیا اور باوجود اس کے کہ آپ اتنی تھے بطور معجزہ خود اپنے قلم مبارک سے لکھ دیا۔

انہی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو مسلمان مشرکین کے پاس چلا جائے گا وہ واپس نہ کریں اور مشرکین میں سے جو مسلمان ہو کر مدینہ آجائے گا مسلمان اس کو واپس کر دیں گے۔ اس پر بھی مسلمان بہت ناراض ہوئے اور فرمایا:

﴿سُبْحَانَ اللَّهِ كَيْفَ يَزِدُّ الِى الْمُشْرِكِينَ مَنْ جَاءَ مُسْلِمًا﴾

(نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۲۹)

یعنی مسلمانوں نے کہا کہ جو مسلمان ہو کر آجائے گا اس کو مشرکین کی طرف کیسے لوٹایا جاسکتا ہے۔ لیکن انجام کار باوجود مسلمانوں کی ناراضگی کے صلح نامہ مکمل ہو گیا جس کو متفق الاخبار میں اس طرح نقل فرمایا ہے:

﴿فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قِصَّةِ الْكِتَابِ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَحَابَةَ تَوَلَّوْا فَانْحَرَوْا ثُمَّ اخْلِقُوا فَوَاللَّهِ مَا قَامَ مِنْهُمْ أَحَدٌ حَتَّى قَالَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا لَمْ يَقُمْ مِنْهُمْ أَحَدٌ دَخَلَ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَذَكَرَ لَهَا مَا لَقِيَ مِنَ النَّاسِ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ اتَّحِبُّ ذَلِكَ أَخْرُجْ وَلَا تَكَلِّمْ أَحَدًا مِنْهُمْ كَلِمَةً حَتَّى تَنْحَرُ بِذَنْكَ وَتَذْغُوا حَالِقًا فَيَخْلُقَكَ فَخَرَجَ فَلَمْ يَكَلِّمْ أَحَدًا مِنْهُمْ حَتَّى فَعَلَ ذَلِكَ نَحَرَ بِذَنْهُ وَذَعَا حَالِقَهُ فَلَمَّا دَاوَا ذَلِكَ قَامُوا فَانْحَرَوْا وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَخْلُقُ بَعْضًا حَتَّى كَادَ بَعْضُهُمْ يَقْتُلُ بَعْضًا عَمَّا﴾

(متفق الاخبار جلد ۸ صفحہ ۳۰)

”سوجب آپ صلح نامہ سے فارغ ہو گئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا اٹھو اور قربانی کرو پھر سرمنڈاؤ، قسم خدا کی ان میں سے کوئی نہیں اٹھا یہاں تک کہ آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا سوجب ان میں سے کوئی نہیں اٹھا تو آپ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور لوگوں کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا تھا اس کو ذکر کیا تو حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہ چاہتے ہیں تو آپ باہر تشریف لے جائیں کسی سے کوئی کلام نہ فرمائیں یہاں تک کہ آپ اپنی قربانی فرمادیں اور سرمنڈانے والے کو بلائیں تاکہ وہ آپ کا سر منڈوے سو آپ باہر تشریف لائے اور کسی سے کوئی کلام نہیں کیا، یہاں تک کہ یہ کیا کہ اپنی قربانی ذبح کی اور حالق کو بلایا اور اس نے آپ کا حلق کیا۔ سوجب صحابہ کرام نے یہ دیکھا تو اٹھے پھر قربانی کی اور ایک دوسرے کا حلق کرنا شروع کیا غم کے سبب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر رہا ہے۔“

اللَّهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ صَلَاةَ لِقَابِي ذِكْرًا لِمَا أَنعَمْتُ عَلَيْكُمْ فَلَمَّا قَالَ لِلنَّاسِ مُدْخِلُوا آلِهَتَكُمْ هَهُنَا فَدَخَلُوا فِيهَا فَتَوَلَّى وَعَصَا فِي يَدِهِ فَلَمَّا هَارَى تَوَلَّى سَاءَ لِمَنِ الْوَسْطَى

”یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی ہے، قریش نے کہا ہم آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول جانتے تو آپ کو نہ روکتے ہاں آپ محمد بن عبد اللہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبد اللہ بھی ہوں، پھر آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا رسول اللہ کو مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ واللہ میں کبھی نہ مٹاؤں گا۔“

معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۶۱ میں ہے کہ حاضرین میں سے حضرت اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اس کو نہ مٹائیں اور بجز رسول اللہ کے اور کچھ نہ لکھیں اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ان کے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی اور کچھ آوازیں ہر طرف سے بلند ہونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ کا کاغذ اپنے دست مبارک میں لے لیا اور باوجود اس کے کہ آپ اتنی تھے بطور معجزہ خود اپنے قلم مبارک سے لکھ دیا۔

انہی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو مسلمان مشرکین کے پاس چلا جائے گا وہ واپس نہ کریں اور مشرکین میں سے جو مسلمان ہو کر مدینہ آجائے گا مسلمان اس کو واپس کر دیں گے۔ اس پر بھی مسلمان بہت ناراض ہوئے اور فرمایا:

سُبْحَانَ اللَّهِ كَيْفَ يَرْدُّ إِلَى الْمُشْرِكِينَ مَنْ جَاءَ مُسْلِمًا

(نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۲۹)

یعنی مسلمانوں نے کہا کہ جو مسلمان ہو کر آجائے گا اس کو مشرکین کی طرف کیے لوٹایا جاسکتا ہے۔ لیکن انجام کار باوجود مسلمانوں کی ناراضگی کے صلح نامہ مکمل ہو گیا جس کو متفق الاخبار میں اس طرح نقل فرمایا ہے:

فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَضِيَّةِ الْكِتَابِ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَحَابَةَ تَوَلَّوْا فَإِنْ خَرُّوْا نَمَّ احْلِقُوا فَوَاللَّهِ مَا قَامَ مِنْهُمْ أَحَدٌ حَتَّى قَالَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا لَمْ يَقُمْ مِنْهُمْ أَحَدٌ دَخَلَ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَذَكَرَ لَهَا مَا لَقِيَ مِنَ النَّاسِ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ اتَّحِبُّ ذَلِكَ أُخْرِجْ وَلَا تَكَلِّمْ أَحَدًا مِنْهُمْ كَلِمَةً حَتَّى تَنْحَرِبَ بِذَلِكَ وَتَذْغُوا حَالِقًا فَيَحْلِقَكَ فَخَرَجَ فَلَمْ يُكَلِّمْ أَحَدًا مِنْهُمْ حَتَّى فَعَلَ ذَلِكَ نَحَرِبَ بِذَنِّهِ وَدَعَا حَالِقَهُ فَلَمَّا دَاوَا ذَلِكَ قَامُوا فَتَخَرَّوْا وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَحْلِقُ بَعْضًا حَتَّى كَادَ بَعْضُهُمْ يَقْتُلُ بَعْضًا غَمًّا

(متفق الاخبار جلد ۸ صفحہ ۳۰)

”سو جب آپ صلح نامہ سے فارغ ہو گئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا اٹھو اور قربانی کرو پھر سر منڈاؤ، سو قسم خدا کی ان میں سے کوئی نہیں اٹھا یہاں تک کہ آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا سو جب ان میں سے کوئی نہیں اٹھا تو آپ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور لوگوں کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا تھا اس کو ذکر کیا تو حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہ چاہتے ہیں تو آپ باہر تشریف لے جائیں کسی سے کوئی کلام نہ فرمائیں یہاں تک کہ آپ اپنی قربانی فرمادیں اور سر منڈانے والے کو بلائیں تاکہ وہ آپ کا سر منڈ دے سو آپ باہر تشریف لائے اور کسی سے کوئی کلام نہیں کیا، یہاں تک کہ یہ کیا کہ اپنی قربانی ذبح کی اور حلق کو بلایا اور اس نے آپ کا حلق کیا۔ سو جب صحابہ کرام نے یہ دیکھا تو اٹھے پھر قربانی کی اور ایک دوسرے کا حلق کرنا شروع کیا غم کے سبب ایسا معلوم ہوا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر رہا ہے۔“

اس تفصیلی واقعہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

امراول: شرائط صلح نامہ اور احرام کھولنے میں جمہور صحابہؓ نے آپ کی رائے سے اختلاف کیا، لیکن آپ نے صلح کو مناسب سمجھ کر ان میں سے کسی کی رائے کو اختیار نہیں کیا بلکہ اپنی رائے پر عزم کر کے اسی کو نافذ فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا اختیار امیر ہی کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت بلقیس نے جب اہل دربار سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پا کر مشورہ طلب کیا تھا:

﴿قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ﴾ (پارہ: ۱۹: سورۃ النمل)

”کہ اے درباریو! میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو کیونکہ میں کسی معاملہ میں قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم نہ حاضر ہو۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع امر یعنی نفاذ وہ امیر ہی کا حق ہے البتہ مشورہ اہل دربار سے لیا جاتا ہے اہل دربار نے جواب دیا:

﴿نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ﴾ (پارہ: ۱۹: سورۃ النمل)

”کہ ہم اہل قوت ہیں اور سخت لڑنے والے ہیں لیکن معاملہ کا اختیار تمہیں ہے پس تم غور کر لو کہ کیا حکم دینا ہے۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اصل اختیار امیر کو ہے چنانچہ اس کے تحت میں تفسیر کبیر میں ہے:

﴿وَذَلِكَ إِظْهَارُ الطَّاعَةِ لَهَا﴾ (تفسیر کبیر جلد ۲۳ صفحہ ۱۹۵)

”اور اس میں بلقیس کے لئے اطاعت کا اظہار ہے۔“

امردوم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے پر حرف بحرف عمل فرمایا پس اقلیت کا مشورہ اکثریت کے مقابلہ میں امیر یا کوئی بھی مستشیر قبول کر سکتا ہے۔ نیز یہ کہ عورتوں کا مشورہ بھی قبول کیا جاسکتا ہے اس میں دلیل ہے کہ ہر عورت ایسی نہیں ہوتی کہ اس کی رائے کی مخالفت کی جائے۔ چنانچہ نبیل الاوطار میں ہے:

﴿فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى فَضْلِ أُمِّ سَلَمَةَ وَفُورِ عَقْلِهَا﴾

(نبیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۳۰)

کہ اس میں حضرت ام سلمہؓ کے فضل اور بھرپور عقل کی دلیل ہے جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ ایسی فقیہہ تھیں کہ بڑے بڑے صحابہ ان سے مشکل مسائل حل کرتے تھے۔

الغرض صلح حدیبیہ کے تفصیلی واقعہ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ امیر و مستشیر اہل شوری کا پابند نہیں ہے بلکہ نفاذ میں مختار ہے۔

دوسرا واقعہ: حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے کہ یہ باندی تھیں اور حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں جو غلام تھے حضرت بریرہؓ کے آقا نے انہیں آزاد کر دیا آزاد ہوجانے کے بعد زوجہ کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے چنانچہ حضرت بریرہؓ نے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے نکاح فسخ کر دیا اور حضرت مغیثؓ سے علیحدگی اختیار کر لی، حضرت مغیثؓ کو چونکہ ان سے محبت تھی اس لئے حضرت بریرہؓ کی علیحدگی سے بہت پریشان ہوئے، گلی، کوچہ میں ان کی جدائی کے سبب روتے پھرتے تھے، یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت مغیثؓ پر رحم آیا اور حضرت بریرہؓ کو مشورہ دیا کہ حضرت مغیثؓ سے دوبارہ نکاح کر لیں۔ حضرت بریرہؓ نے عرض کیا انا مونی (کیا آپ حکم فرماتے ہیں) آپ نے فرمایا انا اشفع (میں)

سفارش کرتا ہوں) یعنی حکم نہیں مشورہ ہے حضرت بریرہؓ نے عرض کیا لا حاجة لی فیہ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۹) (مجھے ان کی ضرورت نہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو انہیں مجبور کیا نہ ناگواری کا اظہار کیا۔

اس واقعہ سے جہاں مشورہ کی حقیقت ”عدم جبر“ معلوم ہوگئی وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کسی کا مشورہ نہ قبول کیا جائے تو اس کو مستشیر سے منقبض نہیں ہونا چاہئے۔

فائدہ: حضرت بریرہؓ نے آپ سے یہ استفسار اٹامونی (کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں) اس لئے کیا کہ اگر آپ کسی کو صریح حکم دیں خواہ وہ نبوی معاملہ میں ہی ہو تو اطاعت واجب ہو جاتی ہے حتیٰ فیصلہ اور حکم کی شان بہت اونچی ہے اس کی بہر حال اطاعت ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ (پارہ: ۲۲ سورۃ الاحزاب)

”کہ کسی مسلمان مرد یا عورت کو کچھ گنجائش نہیں رہتی جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حکم دے دیں۔“

غرضیکہ مشورہ کا معاملہ حتیٰ فیصلہ سے جدا ہے، اس حتیٰ فیصلہ کو فاذا عزمتم میں عزم سے تعبیر فرمایا گیا ہے کہ آپ کے عزم کر لینے کے بعد پھر کسی کو مخالفت کی گنجائش نہیں رہتی پھر تو بس مع و طاعت ہی ضروری ہے۔

واقعہ سوم غزوہ احزاب: غزوہ احزاب میں تمام قبائل عرب اور یہودیوں کی اتحادی طاقت نے مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا تھا کفار کی تعداد تقریباً پندرہ ہزار تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ملی تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، اس مجلس میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے مشورہ دیا

کہ ہمارے بلاد فارس کے بادشاہ ایسی حالت میں دشمن کا حملہ روکنے کے لئے خندق کھود کر ان کا راستہ روک دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور خندق کھودنے کا حکم دے دیا اور خود بھی بنفس نفیس اس کام میں شریک ہو گئے۔

اسی غزوہ میں جب محاصرہ طویل ہو گیا اور مخالفین کی کثرت سے مسلمان مضطرب ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کو بلوایا، یہ دونوں غطفان کے سردار تھے، آپ نے ان سے مدینہ کی ثلث پیداوار پر مصالحت کی بات شروع کی۔ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو معلوم ہوا تو مصالحت نہ کرنے کا مشورہ دیا، اس کو آپ نے قبول کر لیا۔ چنانچہ آیت کریمہ وشاورہم فی الامر کے تحت احکام القرآن میں ہے:

﴿أَشَارَ عَلَيْهِ السَّعْدَانِ (أَيُّ سَعْدُ بْنُ مَعَاذٍ وَسَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ) يَوْمَ الْخَنْدَقِ بِتَرْكِ مُصَالِحَةِ غُظَفَانَ عَلَى بَعْضِ أَثْمَارِ الْمَدِينَةِ فَقَبِلَ مِنْهُمْ﴾ (احکام القرآن تحت الآیہ)

”یعنی سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ نے غطفان سے مدینہ کی کچھ پیداوار پر مصالحت نہ کرنے کا مشورہ دیا اسے آپ نے قبول کر لیا۔“

ان دونوں واقعوں سے دو باتیں معلوم ہوئی ایک یہ کہ اقلیت کے مشورہ کو بھی قبول کیا جاسکتا ہے۔ دوسری یہ کہ ممبران شوری کا متعین ہونا ضروری نہیں، کیف ما اتفق امیر جس سے چاہے مشورہ کرے یا جو چاہے مشورہ دے دے امیر کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔

احکام القرآن میں ہے:

﴿فَقَدْ أَشَارَ الْخَبَّابُ بْنُ الْمُنْذِرِ يَوْمَ بَدْرٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّزْوِيلِ عَلَى الْمَاءِ فَقَبِلَ مِنْهُ ﴿١﴾

(احکام القرآن جلد صفحہ ۳۰)

”یعنی حضرت خبابؓ بن المنذر نے (بلند اور ریتیلی زمین پر ایک کنواں تھا اس میں پانی بہت لطیف تھا، وہاں اترنے کا آپ کو مشورہ دیا کیونکہ حضرت خباب وہاں کے حالات سے خوب واقف تھے) آپ نے قبول فرمایا۔“

چوتھا واقعہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قافلہ البوسفیان کے تعاقب کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ قافلہ مذکورہ کا تعاقب کیا جائے یا نہیں سے واپسی کی جائے تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مشورہ دینے پر آپ نے اعراض کیا، جب سعدؓ بن عبادہ نے مشورہ دیا تو آپ نے قبول فرمایا اور قافلہ کا تعاقب کیا۔ چنانچہ حیاۃ الصحابہ عربی میں بروایت احمد اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِينَ بَلَغَهُ أَقْبَالُ أَبِي سُفْيَانَ قَالَ فَتَكَلَّمْتُ أَبُو بَكْرٍ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ تَكَلَّمْتُ عُمَرُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ وَقَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ إِنَّا نَأْتِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُخَيِّضَهَا الْبَحَارَ لَأَخْضَتْنَاهَا وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلَى بَرْكِ الْعِمَادِ لَفَعَلْنَا فَتَدَبَّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ ﴿٢﴾

(حیاۃ الصحابہ جلد ۱ صفحہ ۳۹۸)

”یعنی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب البوسفیان کے تجارتی قافلہ کا پتہ چلا تو صحابہ سے مشورہ کیا کہ اس پر حملہ

کیا جائے یا نہیں) حضرت ابوبکرؓ نے کچھ کہنا چاہا آپ نے منہ پھیر لیا پھر حضرت عمرؓ نے کچھ کہنا چاہا آپ نے منہ پھیر لیا پھر حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری نے فرمایا کہ آپ انصار سے جواب لینا چاہتے ہیں۔ تو قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر آپ ہم لوگوں کو حکم دیں کہ ہم اپنی سواریاں سمندر میں گھسا دیں تو ہم ان کو سمندر میں گھسا دیں گے اور اگر آپ ہم کو حکم دیں کہ ہم اپنی اونٹنیاں برک غمادتک لے جانے کے لئے ان کے کلیجے پھلنی کر دیں تو ہم ضرور ایسا ہی کریں گے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چلنے کے لئے جمع کیا۔“

اس واقعہ سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ مشورہ کے لئے تعین اشخاص ضروری نہیں ہے بلکہ متعلقین معاملہ سے مشورہ لیا جاتا ہے جیسا کہ یہاں آپؐ نے انصار کی رائے معلوم کی کیونکہ ان سے ہی معاملہ کا تعین تھا، حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے افضل الامتہ کے مشورہ سے بھی اعراض کیا۔ نیز صحابہ کرامؓ کا جذبہ اطاعت و فرمانبرداری بھی خوب ظاہر ہے، کہ اعراض پر ذرہ برابر گرائی نہیں ہوئی۔

پانچواں واقعہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفا میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر جس میں کبار صحابہ مہاجرین و انصار موجود تھے، جنگ کرنے کے لئے روم کی طرف بھیجنے کا حکم فرمایا، بخاری شریف میں اس کی تفصیل اس طرح ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا وَ أَمَرَ عَلَيْهِمْ أَسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَنَقَطَ النَّاسُ فِي أَمَارَتِهِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَنْ تَطْعَمُوا فِي أَمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَمُونَ فِي أَمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ وَأَيْمُ اللَّهُ إِنْ كَانَ

لَخَلِيقًا لِلْأَمَارَةِ وَإِنْ كَانَ لِمَنْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيَّ وَهَذَا لِمَنْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ ﴿﴾ (بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۶۳۱)

”عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر تیار کیا اور اس پر اسامہ بن زید کو امیر بنایا تو لوگوں نے ان کی امارت پر طعن کیا سو آپ ممبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا اگر تم ان کی امارت پر طعن کرتے ہو تو تم تو ان کے باپ (زید) کی امارت پر طعن کرتے تھے حالانکہ خدا کی قسم وہ امارت کے لائق تھے اور وہ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے اور یہ (اسامہ) ان کے بعد میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔“

تفہیم امر میں طعن و تشنیع کی پروانہ کرے

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ عزم کے بعد تفہیم امام کا حق ہے، نیز یہ کہ امیر جس بات کا عزم کرے اس کو اللہ پر بھروسہ کر کے کر ڈالے اور لوگوں کی طعن و تشنیع کی ہرگز پروانہ کرے کیونکہ مشورہ کا درجہ صرف ایک تدبیر کا ہے اور بعض تدبیر کبھی مفید ہوتی ہے کبھی نہیں اس لئے اس کا اختیار کرنا لازم نہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

﴿عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصِنِي فَقَالَ خُذْ أَمْرًا بِالتَّذْيِيرِ فَإِنْ رَأَيْتَ فِي عَاقِبَتِهِ خَيْرًا فَأَمِّصْهُ وَإِنْ خِفْتَ غَيًّا فَأَمْسِكْ﴾ (مشکوٰۃ باب النذر صفحہ ۳۳۰)

”حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مجھے وصیت فرمائیے، آپ نے فرمایا کام کو تدبیر سے کرو سو اگر اس

کے انجام میں خیر پاؤ تو کر ڈالو اور اگر بھٹکنے کا خوف کرو تو رک جاؤ۔ برخلاف توکل کے کہ وہ ہمیشہ مفید ہی ہوتا ہے اور ہر تدبیر سے فوق و بلند ہے، نیز متوکل علی اللہ کی نصرت غیب سے ہوتی ہے۔“
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ (پارہ: ۲۸ سورۃ الطلاق)

”یعنی اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کو کافی ہے۔“

مفضول کو فاضل پر امیر مقرر کیا جاسکتا ہے

نیز حدیث اسامہؓ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹے کو بڑوں پر اور مفضول کو فاضل پر امیر بنانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں اہلیت ہو، چنانچہ حدیث مذکور کے تحت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

﴿قَالَ بَعْضُ الْمُحَقِّقِينَ فِيهِ جَوَازُ أَمَارَةِ الْمُؤَلَى وَتَوَلِيَةِ الصَّغَارِ عَلَى الْكِبَارِ وَالْمَفْضُولِ عَلَى الْفَاضِلِ﴾

(مرقات جلد ۱۱ صفحہ ۸۳ باب مناقب اہل البیت)

”یعنی بعض محققین نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں غلام کی امارت اور چھوٹوں کی بڑوں پر اور مفضول کی فاضل پر تولیت و امارت کا جواز ہے۔“

جب حضرت اسامہؓ کو امیر لشکر بنایا تو ان کی عمر انیس سال تقریباً تھی۔ نیز یہ لشکر اسامہؓ دراصل حضرت زیدؓ بن حارثہ کے انتقال کے بعد ان کے قائم مقام حضرت اسامہؓ کو بنا کر تیار کیا گیا تھا۔ چنانچہ فتح الباری میں ہے کہ:

﴿وَدَعَا أَسَامَةَ فَقَالَ سِرُّ إِلَى مَوْضِعٍ مَقْتُلُ أَبِيكَ﴾

(فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۱۵)

”یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ کو بلا کر فرمایا کہ اپنے والد (حضرت زیدؓ) کے قتل کی طرف جاؤ۔“

بشرط صلاحیت عزیز و معتمد کو منصب دیا جاسکتا ہے

اس میں اس بات کے جواز پر دلیل ہے کہ اپنے عزیز و قریب و معتمد کو کوئی منصب دیا جاسکتا ہے کیونکہ اپنے عزیز و معتمد کے رکھنے سے وہ اس کے لئے مثل قوت بازو کے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو وزیر بنانے کی درخواست میں یہی وجہ بیان فرمائی:

﴿وَأَجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِیْ ۚ هَؤُلَاءِ هُمُ الظَّالِمُوْنَ﴾ (پارہ: ۱۲: سورہ طہ)

”یعنی میرے اہل میں سے میرا ایک وزیر بنا دیجئے یعنی میرے بھائی ہارون کو ان کے ذریعہ سے میری قوت کو مستحکم کر دیجئے۔“

اس آیت میں اپنے اہل میں سے اپنا معاون مانگنے کی درخواست ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مستحسن امر ہے۔

اور راز اس میں یہ ہے کہ اپنے اہل کے تعاون و مدد کرنے میں ایک طبعی الفت لگاؤ ہوتا ہے، وہ اپنے اہل کے بقیہ کام کو بڑی خوش اسلوبی، دلسوزی، حوصلہ مندی سے بڑھا سکتا ہے، اسی لئے حق تعالیٰ نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا:

﴿قَالَ قَدْ أُوتِیْتَ سُؤْلُكَ یٰمُوسٰی﴾ (پارہ: ۱۲: سورہ طہ)

”اے موسیٰ تمہاری درخواست قبول کی گئی۔“

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات بالصراحت واضح ہو گئی کہ امیر کو اپنی اعانت کے لئے اپنے کسی اہل کی درخواست کرنا یا خود متعین کرنا خلاف اولیٰ نہیں بلکہ عین قرین مصلحت و

حکمت ہے اور حسن انتظام کے نقطہ نظر سے احسن طریق میں سے ہے کیونکہ الولد سرلابیہ بیٹا باپ کا بھیدی ہوتا ہے اور صاحب البیت ادنیٰ بمافی بیتہ کی رو سے گھر والا گھر کی چیزوں سے خوب واقف ہوتا ہے لہذا ایسی صورت کو اقرباء نوازی اور کنبہ پروری سمجھنا اور اعتراض کرنا کم علمی کی دلیل ہے چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی جو اولاد تھے اپنا وارث بنانے کے لئے ولد کی درخواست کی جیسا کہ اس آیت شریفہ میں ہے:

﴿رَبِّ هَبْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیْبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ﴾

(پارہ: ۳: سورہ آل عمران)

”اے میرے رب مجھے پاک اولاد عطا فرمائے بیشک آپ دعاء کو سننے والے ہیں۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَٰرِثِیْنَ﴾ (پارہ: ۷: سورہ الانبیاء)

”اے میرے رب مجھے تنہا نہ چھوڑیے یوں تو آپ بہترین وارث ہیں۔“

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿وَأَحَبُّ (ذَکَرِیًّا) مَنْ یُّؤْتِسُّهُ وَیَقْوِبُهُ عَلٰی اَمْرِ دِیْنِهِ وَ دُنْیَاہُ وَ یَكُوْنُ قَانِمًا مَّقَامَہُ بَعْدَ مَوْتِہِ فَدَعَا اللّٰہُ تَعَالٰی دُعَآءَ مُخْلِصٍ عَارِفٍ﴾ (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۵۳۴)

”اور حضرت زکریا علیہ السلام نے ایسا وارث چاہا جو ان کے لئے مونس ہو اور انہیں دینی و دنیوی امر میں تقویت دے اور ان کی وفات کے بعد ان کا

قائم مقام ہو جائے لہذا اللہ تعالیٰ سے مخلص عارف کی طرح دعاء کی۔“

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب حق تعالیٰ نے امام بنانے کی خوش خبری سنائی اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (میں تم کو لوگوں کا امام بنائے والا ہوں) تو حضرت ابراہیم نے درخواست پیش کی قَالَ وَ مِنْ ذَرِّیَّتِیْ (عرض کیا کہ اور میری اولاد میں سے بھی) تو ارشاد ہوا:

﴿لَا یَقَالُ عِنْدَی الظَّالِمِیْنَ﴾ (پارہ: ۱۰: سورۃ البقرۃ)

”میرا وعدہ ظالموں کو نہ پہنچے گا۔“

اس آیت کے تحت بیضاوی شریف میں ہے:

﴿اِجَابَةُ اِلٰی مُلْتَمَسِهِ وَ تَنْبِیْہِ﴾

”ان کے درخواست کی قبولیت بھی ہے اور (قبولیت کی شرط پر) تنبیہ بھی ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منصب امامت و نبوت ان کی اولاد میں ہی رہے گا بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو، چنانچہ دوسری آیت میں صراحت اس کا ذکر ہے:

﴿وَجَعَلْنَا فِیْ ذَرِّیَّتِہِ التَّبَوُّةَ وَ الْکِتٰبَ﴾ (پارہ: ۲۰: سورۃ العنکبوت)

”یعنی ہم نے ان کی (ابراہیم کی) اولاد میں نبوت اور کتاب کو طے کر دیا۔“

اسی سبب سے نسل بعد نسل انہی کی اولاد میں نبوت و ملکیت چلتی رہی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعامل

یہاں تک شوریٰ اور نفاذ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کا بیان ہوا، اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعامل بیان کیا جاتا ہے

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفا میں حضرت اسامہؓ بن زید کی امارت میں ایک لشکر روم کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ ابھی حضرت اسامہؓ مقام جرف میں جو مدینہ منورہ سے ایک فرسخ تقریباً چار کلو میٹر ہے پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ نے ان کے پاس یہ خبر پہنچائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت غیر ہے ابھی تم جلدی نہ کرو۔ حضرت اسامہؓ یہ خبر پیا کرویں ٹھہرے رہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ (سیرۃ الصدیق صفحہ ۲۸۴)

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی اور آپ خلیفہ مقرر ہو گئے تو سب سے پہلا جو کام آپ نے کیا وہ جیش اسامہؓ کی روانگی تھا، چنانچہ آپ نے حکم دے دیا کہ لشکر اسامہؓ تیار ہو کر روانہ ہو جائے، اس وقت بہت سے عرب مرتد ہو گئے تھے نفاق کی تاریکی الگ چھائی ہوئی تھی، یہود و نصاریٰ کی سرکشی کی خبریں متواتر مدینہ میں پہنچ رہی تھیں۔ ان حالات کے تحت حضرات صحابہؓ پر لشکر اسامہؓ کو روانہ کرنا شاق ہوا چنانچہ روایت میں ہے:

﴿فَشَقَّ ذٰلِکَ عَلٰی کِبَارِ الْمُہَاجِرِیْنَ الْاَوَّلِیْنَ﴾

(حیۃ الصحابہ جلد ۱ صفحہ ۴)

یہ (جیش اسامہ کی روانگی) مہاجرین اولیں پر بہت گراں ہوئی۔ اس لئے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ جو آدمی لشکر اسامہؓ میں جا رہے ہیں وہ مسلمانوں کے چیدہ اور منتخب افراد ہیں۔ عرب کی حالت آپ کے سامنے ہے ایسی حالت میں مسلمانوں کی جمعیت کو متفرق کرنا مناسب نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

﴿لَوْ خَظَفْتَنِی الْکِلَابُ وَ الذِّنَابُ لَا تَفُتُّہُ کَمَا اَمَرَ بِہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم﴾

”کہ اگر کہتے اور بھیڑیئے مجھ کو اچک لے جائیں تب بھی میں اس کو جاری کروں گا جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے ہیں۔“

اسی واقعہ میں ہے کہ انصار نے حضرت عمرؓ کی زبانی حضرت ابوبکرؓ تک یہ بات پہنچائی کہ اگر روانگی لشکر ضروری ہے تو بجائے حضرت اسامہؓ کے کسی زیادہ تجربہ کار اور سن رسیدہ شخص کو ہمارا سردار مقرر کیجئے۔ جب حضرت عمرؓ نے انصار کا پیغام سنایا تو حضرت ابوبکرؓ غصہ میں بیتاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور تیزی کے ساتھ فرمایا:

﴿تُكَلِّمُكَ أُمَّكَ يَا بَنِي الْخَطَّابِ اسْتَعْمَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَأْمُرُنِي أَنْ أَعِزَّهُ﴾ (سیرۃ الصدیق صفحہ ۲۸۴)

”اے خطاب کے بیٹے تجھ کو تیری ماں گم کرے ان کو رسول اللہ نے مقرر فرمایا اور تو حکم کرتا ہے کہ میں ان کو معزول کر دوں۔“

اس واقعہ میں متعدد مشوروں کے باوجود امیر نے تنہا اپنے عزم پر عمل کیا، کسی کا مشورہ قبول نہیں کیا۔ اس عزم و توکل و اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کا ایسا ظہور ہوا کہ جس قبیلہ کی طرف سے یہ لشکر گذرتا تھا اس پر رعب پڑ جاتا تھا اور وہ اسلام کی طرف یہ کہتا ہوا لوٹ آتا تھا کہ اگر ان کے پاس قوت نہ ہوتی تو اتنی بڑی جمعیت ان کے پاس سے نہ نکلتی۔

دوسرا واقعہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے بعد مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل نے مرتد ہو کر بالاتفاق مدینہ کا رخ کیا اور مدینہ شریف کو گھیر کر اپنے قاصد کو حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیجا کہ نماز تو ہم سے پڑھو لیجئے مگر زکوٰۃ معاف کر دیجئے۔ ان کا پیغام سن کر آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا سب نے یہ صلاح دی کہ نرمی مناسب وقت ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

﴿يَا خَلِيفَةُ رَسُولِ اللَّهِ تَأْلَفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِهِمْ﴾

”اے خلیفہ رسول اللہ لوگوں کے ساتھ نرمی اور الفت کا برتاؤ کیجئے۔“

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

﴿أَجْبَازٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَازٍ فِي الْإِسْلَامِ قَدْ انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَتَمَّ الدِّينُ انْقِصَ وَأَنَا حَيٌّ وَاللَّهُ لَا جَاهِدَ نَهُمْ وَلَوْ مَنَعُونِي عَقَالًا﴾

(سیرۃ الصدیق صفحہ ۲۹۱)

”(اے عمر یہ کیا) تم جاہلیت میں تو بہادر تھے اور اسلام میں آکر کمزور ہو گئے وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا اور دین کمال کو پہنچ گیا میری زندگی ہی میں دین ناقص کر دیا جائے گا (ہرگز نہیں) واللہ فرض زکوٰۃ سے رسی کا ٹکڑا بھی دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔“

دیکھئے اس واقعہ میں حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہؓ سے مشورہ تو کیا مگر ان کی رائے کے خلاف اپنی رائے پر عزم کر کے قتال مرتدین کا حکم نافذ فرمادیا اور اگرچہ یہ حکم تمام صحابہ کی رائے کے خلاف تھا مگر سب نے بلاپوں و چرا تسلیم کر لیا، کسی نے بھی ان کے خلاف آواز نہ اٹھائی کیونکہ وہ مخلص تھے حب مال، حب جاہ سے پاک تھے، حق شناس اور فرض شناس کا جذبہ ان کے اندر بیدار تھا، امیر کی اطاعت اس کا ادب و احترام اور اس کی عظمت کا استحضار ان کی طبیعت بن چکی تھی، آپس میں تحاسد و بغض نہ تھا، اپنی بات کی پیروی نہ تھی۔

نمونہ عمل: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ جذبہ اتباع و انقیاد ہر زمانہ میں ان لوگوں کے لئے لائحہ عمل ہے جن سے کوئی امیر یا کوئی فرد بشر مشورہ لے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اہل مشورہ کی اکثریت کا کسی رائے میں متفق ہونا ان کی

رائے کے صائب ہونے کی دلیل نہیں بلکہ امیر کو خود اپنی فراست و بصیرت کو کام میں لانا چاہئے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے فیصلہ نافذ کر دینا چاہئے۔

تیسرا واقعہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی حیات میں خلیفہ مقرر فرمایا تو آپ کی جرأت و بیباکی کی وجہ سے صحابہ کو ان کی خلافت سے اختلاف ہوا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حضرت علی و طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے اور دونوں نے کہا:

﴿مَنْ اسْتَخْلَفْتَ قَالَ عُمَرُ قَالَ فَمَاذَا قَائِلٌ لِرَبِّكَ قَالَ تَفَرَّقَانِي
لَا نَا أَعْلَمُ بِاللَّهِ وَ بَعْمَرٍ مِنْكُمَا أَقُولُ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْهِمْ خَيْرٌ
أَهْلِكَ﴾ (حیۃ الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۲۲)

یعنی حضرت علی اور حضرت طلحہ نے کہا کہ آپ نے کس کو خلیفہ بنایا ہے، فرمایا عمر کو، دونوں صاحبوں نے کہا آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے، آپ نے فرمایا کیا تم مجھ کو اللہ سے ڈراتے ہو یقیناً میں اللہ کو اور عمر کو تم دونوں سے زیادہ جانتا ہوں، میں اللہ تعالیٰ سے عرض کر دوں گا کہ میں لوگوں پر تیرے بہترین اہل کو خلیفہ بنا آیا ہوں۔ اس واقعہ سے بھی امیر کے عزم و نفاذ کا معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کے مشورہ کو نہ مانا بلکہ اپنے عزم پر عمل فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعامل

یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کا تعامل مذکور ہوا اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعامل بیان کیا جاتا ہے:

﴿عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا اخْضَرَ فَهَمًّا وَلَا
أَلْبَ لُبًّا وَلَا أَكْثَرَ عِلْمًا وَلَا أَوْسَعَ جِلْمًا مِنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَقَدْ

رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَدْعُوهُ لِمُعْضَلَاتٍ ثُمَّ يَقُولُ قَدْ
جَاءَتْكَ مُفْضَلَةٌ ثُمَّ لَا يُجَاوِزُ قَوْلَهُ وَكَانَ حَوْلَهُ أَهْلُ الْبَيْتِ مِنَ
الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ﴾ (حیۃ الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۳۱)

”حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے زیادہ حاضر دماغ، زیادہ عقلمند، زیادہ علم والا زیادہ حلیم الطبع کسی کو نہیں دیکھا اور میں نے حضرت عمرؓ بن الخطابؓ کو دیکھا ہے کہ ان سے مشکل کاموں میں مشورہ لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے لو تمہارے لئے مشکل کام آگیا پھر آپ ان کے قول سے تجاوز نہ فرماتے تھے حالانکہ آپ کے ارد گرد اہل بدر مہاجرین و انصار ہوتے تھے۔“

مذکورہ روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کثرت کے مقابلہ میں کسی منفرد کی بات پر عمل کرنا جبکہ امام کو شرح صدر ہو جائے جائز و درست ہے، حضرت عمرؓ باوجود کبار صحابہ کی موجودگی کے ابن عباسؓ کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ بعض وقت عورت کے مشورہ کو قبول فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ یہی میں ہے:

﴿عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَسْتَشِيرُ حَتَّى
أَنْ كَانَ لَيْسَتْ شَيْئَ الْمَرْءَةِ فَوَيْلًا أَبْصَرَ فِي قَوْلِهَا الشَّيْئَ
يَسْتَحْسِنُهُ فَيَأْخُذُ بِهِ﴾ (حیۃ الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۳۱)

”حضرت ابن سیرینؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ عورت سے بھی مشورہ لیتے تھے پھر کبھی اس عورت کے مشورہ میں اچھی بات پاتے تو اس کو اختیار کر لیتے تھے۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اصل دار و مدار عزم امیر پر ہے چاہے عورت کی بات سے اس کو شرح صدر ہو جائے جیسا کہ بائبل میں صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ام سلمہؓ

کے مشورہ و خرو حلق کے بارے میں بھی یہ بات آپکی ہے۔

اہل شوریٰ کا تعین ضروری نہیں

اس تمام تر تفصیل سے یہ بات بھی منقح ہو گئی کہ اہل شوریٰ کا تعین کوئی ضروری امر نہیں ہے، کیف ما اتفق اہل تجربہ، اہل معاملہ، اہل الرائے سے مشورہ لیا جاسکتا ہے خواہ وہ فاضل ہو یا مفضول، کبیر ہو یا صغیر، مرد ہو یا عورت، اور زمانہ حاضرہ میں النسب بھی یہی ہے کہ مشیروں کا تعین مستقلانہ کیا جائے کیونکہ اراکین شوریٰ کا تعین ایک امر زائد ہے، نیز مستقل ممبر بنانے میں ایک بڑا مفسدہ اس پر فتن زمانہ میں یہ ہے کہ کچھ مدت گزرنے کے بعد اراکان شوریٰ خود کو اصل اور امیر و مہتمم کو تابع سمجھنے لگتے ہیں اور یہ قلب موضوع ہے شرعاً بھی اور عقلاً بھی، شرعاً تو ماقبل میں اس کو مفصل بیان کیا گیا۔

مروجہ جمہوریت کی عقلی خامیاں

اور عقلاً اس میں چند خرابیاں ہیں:

۱ اکثر و بیشتر اراکان شوریٰ اور امیر و مہتمم میں اختلاف رائے پیش آتا رہتا ہے جو ایک فطری امر ہے لیکن اختلاف کی صورت میں اکثریت کی رائے پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے جو انتظام کی رو سے بھی نامناسب ہوتا ہے بلکہ دوسری اقلیت والی رائے عین انتظام کے مناسب ہوتی ہے جس کے سبب مملکت و ادارہ میں ضعف و تنزل پیدا ہو جاتا ہے۔

۲ مشیروں کا کار متعلقہ میں اہل تجربہ ہونا ضروری ہے اس کی ضرورت کی اثبات میں دو حدیثیں ذکر کی گئیں۔ لَا حَکِیْمَ إِلَّا ذُو نَجْوَیَۃٍ (حکیم تو بس تجربہ کار ہی ہوتا ہے) اور اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُورِ دُنْیَاکُمْ (تم اپنے دنیوی امور کو خوب جانتے ہو) ان دو حدیثوں سے واضح ہے کہ مشیر اہل تجربہ کا متعلقہ مشورہ میں رائے و تجربہ رکھنے والا ہونا چاہئے۔ لیکن مدارس دینیہ میں اکثر جگہ اراکین شوریٰ اہل ثروت و وجاہت اپنے اثر و رسوخ

سے یا ادارہ کے مالی تعاون کی وجہ سے ممبر منتخب کر لئے جاتے ہیں، ان کو چونکہ مدرسہ کے عملہ اور طلبہ سے سابقہ نہیں پڑتا اس لئے تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کا مشورہ انتظامی حالات اور مدرسہ کے مستقبل کے مفاد کے خلاف ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے جب حضرت گنگوہیؒ مدرسہ دیوبند کے سرپرست تھے تو ایک اہل ثروت رئیس نے مجلس شوریٰ میں داخل ہونا چاہا جیسا کہ یہ واقعہ تفصیلاً اوپر آچکا ہے، حضرت نے بالکل انکار فرمادیا، قصبہ میں بہت شورش پھیلی، قریب تھا کہ مدرسہ بند ہو جائے تو بعض خدام نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت اس وقت شورش کافی ہو رہی ہے، مدرسہ کے بند ہونے کا اندیشہ ہے، اگر دفع شر کے لئے ان کو شوریٰ میں لے لیا جائے تو کیا حرج ہے، حضرت نے فرمایا اگر ان شورشوں کی وجہ سے مدرسہ بند ہو گیا تو اس کا وبال اہل شورش پر پڑے گا، مہتمم یا سرپرست سے باز پرس نہ ہوگی۔ اور اگر باوجود اہل نہ ہونے کے ان کو داخل کر لیا جائے گا تو ہم سے نا اہل کو داخل کرنے کی پوچھ ہوگی۔ پھر جو بعض اہل علم کو بھی شوریٰ کا ممبر بنالیا جاتا ہے تو اکثر انہی کو لیا جاتا ہے جن پر جدید طرز و تعلیم اور سیاست حاضرہ کا اثر ہوتا ہے اس لئے مدرسہ کو خاطر خواہ دینی رجحان پیدا ہونے کے لئے مشورہ نہیں ملتا بلکہ مدرسہ میں جدت اور موجودہ سیاست آتی رہتی ہے جو انجام کار دینداری سے بہت دور کر دیتی ہے۔

۳ بعض وقت مدرسہ کے بعض افراد عملہ اور طلبہ اپنے معاملہ کو ممبران شوریٰ کے سامنے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ عدم تجربہ اور ان سے سابقہ نہ پڑنے کے سبب اراکین شوریٰ اس کو صحیح سمجھ لیتے ہیں اور کبھی کبھی یکطرفہ فیصلہ ہو جاتا ہے جو مدرسہ کے لئے سخت مضر ہوتا ہے۔

اہل شوریٰ کے صفات

اب تک کی تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ کس قسم کے لوگوں سے مشورہ لینا

چاہئے مثلاً حضرت ابن عباسؓ جن کی رائے حضرت عمرؓ بدر بین کے مقابلہ میں بھی قبول فرما لیتے تھے، ان کی صفات حضرت سعد بن وقاصؓ نے یہ بتلائی ہیں کہ وہ حاضر دماغ، عقلمند، علم والے اور صاحب حلم تھے۔ سو معلوم ہوا کہ مشیر بیدار مغز، عقلمند، صاحب علم و حلم ہونا چاہئے۔

نیز حدیث شریف میں ہے استرشدوا العاقل ولا تعصوه فتندموا مدبر، دور اندیش سے مشورہ لو اور بعد اثبات حق اس کی مخالفت نہ کرو، ورنہ نادمہ ہو گے۔ صاحب روح المعانی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

﴿وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْمُسْتَشَارُ عَاقِلًا كَمَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ عَابِدًا﴾ (روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۴۶)

”اور مناسب ہے کہ مشیر مدبر دور بین و دور اندیش ہو جیسا کہ مناسب ہے کہ متدین ہو۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مشیر کے لئے عاقل ہونے کے ساتھ عابد (متدین) ہونا بھی ضروری ہے۔ حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عباسؓ کو جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشیر تھے یہ وصیت فرمائی تھی، بیہقی میں ہے:

﴿إِنَّ الْعَبَّاسَ قَالَ لَإِبْنِهِ عَبْدِ اللَّهِ إِنِّي أَرَى هَذَا الرَّجُلَ قَدْ أَكْرَمَكَ يَعْزِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَأَذْنِي مَجْلَسَكَ وَالْحَقُّكَ بِقَوْمٍ لَسْتُ مِنْهُمْ فَأَحْظُظْ عَنِّي فَلَا تَلْهُ لَا يَجْرِبَنَّ عَلَيْكَ كَذِبًا وَلَا تَفْشِ عَلَيْهِ سِرًّا وَلَا تَغْتَابَنَّ عَنْهُ أَحَدًا﴾ (حياة الصحابة جلد ۲ صفحہ ۶۶)

”حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ میں اس شخص یعنی عمرؓ بن الخطاب کو دیکھتا ہوں کہ انہوں نے تیرا اکرام کیا ہے اور تمہیں اپنا قرب دیا ہے اور تمہیں ایسے لوگوں کے ساتھ شامل کیا ہے کہ

تم ان میں سے نہیں ہو، لہذا میری تین نصیحتیں یاد رکھو، ① کبھی وہ تم پو جھوٹ کا تجربہ نہ کریں، ② ان کا بھید کسی پر ظاہر نہ کرنا، ③ ان کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا۔“

معلوم ہوا کہ مشیر کو صادق القول، رازدار، عیب گوئی سے پاک صاف ہونا چاہئے، نیز حدیث شریف میں ہے الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ (مشیر امانت دار ہوتا ہے) الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ (مجالس امانت کے ساتھ ہوتی ہیں) پس مشیر کے لئے رازدار ہونا بھی ضروری ہے۔

اہل شوریٰ کی صفات کا خلاصہ

حاصل یہ کہ مشیر ایسا ہونا چاہئے، بیدار مغز، مدبر، تجربہ کار، دور بین، دور اندیش، واقف کار واقعہ، صاحب حلم، صاحب دیانت و تقویٰ، صادق القول، عیب گوئی نہ کرنے والا، رازدار۔

امیر و ذمہ دار کے صفات

اس کے بعد یہ امر بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ شریعت میں جس امیر کی اطاعت اس قدر ضروری اور لابدی قرار دی گئی ہے اس کے صفات کیا ہونا چاہئیں تاکہ ہر کس و ناکس اس منصب کی ہوس نہ کرے اور خدا نخواستہ ادارہ یا مدرسہ میں اپنی ملک و جاگیر کی طرح بے محابا تصرف نہ کر سکے بلکہ مدرسہ کو خدائی امانت سمجھ کر بہت سوچ، سمجھ کر نہایت حلم و تدبیر اور محتاج مشورہ امور میں اہل تجربہ و دانش سے مشورہ لے کر کام کرے اور اگر بالفرض مہتمم صاحب علم نہ ہو بلکہ ملکہ انتظام رکھنے کی وجہ سے یا کسی دوسری مصلحت سے مہتمم بنا دیا گیا ہے جیسا کہ بعض چھوٹے مدرسوں میں ایسا واقع ہوتا

رہتا ہے تو اس کو لازم ہے کہ اہل علم و اہل فتویٰ کے بغیر کوئی کام نہ کرے ورنہ اللہ کے مال کو اس کی مرضی کے خلاف صرف کرے گا اور دنیا و دین دونوں میں مطعون ہو کر خسار دنیا و الاخرہ کا مصداق ہوگا۔ چنانچہ وہ صفات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَلَّى الْقَضَاءُ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سَكِينٍ قَالَ الْحَافِظُ مَعْنَى قَوْلِهِ ذُبِحَ بِغَيْرِ سَكِينٍ أَنَّ الذَّبْحَ بِالسَّكِينِ يَحْصِلُ بِهِ إِزَاحَةُ الذَّبِيحَةِ بِتَعْجِيلٍ إِزْهَاقِ رُوحِهَا فَإِذَا ذُبِحَ بِغَيْرِ سَكِينٍ كَانَ فِيهِ تَعَذُّبٌ لَهَا (الترغيب والترہیب جلد ۲ صفحہ ۷۷)

”ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو قضا سپرد کی گئی، وہ بلا چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ بلا چھری کے ذبح کرنے کے یہ معنی ہیں کہ چھری سے ذبح کرنے سے جانور کو جلد روح نکلنے کی وجہ سے راحت ہوتی ہے تو جب بغیر چھری ذبح کیا گیا تو اس میں تکلیف زیادہ ہوگی۔“

اس کی تشریح یہ ہے کہ فیصلہ کے وقت فریقین میں سے صاحب حق کے حق کی تحقیق کے لئے بڑی چھان بین کرنا پڑتی ہے جس کی وجہ سے قاضی پر ذہنی اور جسمانی بڑی مشقت پڑتی ہے اور بڑی عرق ریزی سے کام لینا پڑتا ہے اور ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جس میں تین باتیں ہوں۔

اول: دیانت جس کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔

دوم: جرأت و شجاعت۔

سوم: سیاست بمعنی حکمت جس کو تدبیر حسن اور حکمت عملی سے بھی تعبیر کیا جاتا

ہے۔

دیانت کا یہ اثر ہوگا کہ طرفین میں سے کسی کا طرفدار نہ ہوگا، ظلم سے محفوظ رہے گا، عدل سے کام لے گا، جرأت کا یہ اثر ہوگا کہ تحقیق حق میں کسی کا دباؤ قبول نہ کرے گا، نیز اجراء احکام میں کسی کی مخالفت کی پروا نہ کرے گا اور کلمۃ الحق کو غالب رکھے گا۔

سیاست کا یہ اثر ہوگا کہ معاملہ کو مدبرانہ، حکیمانہ طور سے نہ کہ محض حاکمانہ طور سے خوبصورتی سے حل کرے گا، کام کو تدبیر احسن سے بجالائے گا نہ تعجیل ہوگی نہ اشتعال و بھڑک ہوگی بلکہ باوقار و بامتانت حسب موقع بحفاظت قیام امن تعین سے حل کرے گا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاش بھی نہ ٹوٹے۔

② عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ شِئْتُمْ أَنْبَأْتُكُمْ عَنِ الْأَمَارَةِ مَا هِيَ فَنَادَيْتُ بِأَعْلَى صَوْتٍ وَمَاهِي يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَوَّلُهَا مَلَامَةٌ وَثَانِيهَا نَذَامَةٌ وَثَالِثُهَا عَذَابٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِلَّا مَنْ عَدَلَ وَكَيْفَ يَغْدِلُ مَعَ قَرِينِهِ ﴿﴾

(الترغيب والترہیب جلد ۲ صفحہ ۷۷)

”حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم کو حکومت کے بارے میں خبر دوں کہ وہ کیا ہے تو میں نے باواز بلند عرض کیا، وہ کیا ہے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اول درجہ میں تو ملامت ہے اور دوسرے درجہ میں ندامت ہے اور تیسرے درجہ میں قیامت کے دن کا عذاب ہے ہاں مگر جو عدل کرے اور رشتہ دار کے ساتھ کیسے عدل کرے گا۔“

اس حدیث سے بھی ذمہ دار کے لئے دیانت کا ہونا بصراحت معلوم ہوتا ہے کیونکہ عدل دیانت کی فرع ہے، نیز جرأت کی ضرورت بھی مترشح ہوتی ہے کہ رشتہ دار کے

ساتھ عدل کرنے کے لئے بڑی جرأت کی ضرورت ہے کیونکہ رشتہ دار سے ہر وقت مخالفت کا اندیشہ رہتا ہے لہذا ایسے موقع پر عدل کے لئے جہاں دین میں پختگی ضروری ہے وہیں جرأت کی بھی ضرورت ہے۔ نیز لوگوں کی ملامت اور اپنی شرمندگی دفع کرنے کے لئے بھی بڑی جرأت اور ہمت کی ضرورت ہے۔

نیز اگر غور کیا جائے تو سیاست بمعنی تدبیر حسن کا بھی پتہ چلتا ہے کیونکہ رشتہ دار جن سے ہر وقت کا معاملہ رہتا ہے ان سے بگاڑ اچھا نہیں تو معاملہ اور برتاؤ میں تدبیر حسن اور حکمت عملی اختیار کرے گا کہ عدل بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے اور رشتہ داروں سے خواہ مخواہ بگاڑ بھی پیدا نہ ہو، تو حدیث پاک کا آخری جملہ ”کیف یعدل مع قریبہ“ سیاست اور حکمت عملی کی طرف اشارہ کرتا ہے، اسی وجہ سے حکیم و مدبر کے فیصلہ میں بعض وقت تاخیر ہو جاتی ہے کہ وہ طریق احسن کی تلاش میں رہتا ہے۔

الغرض امیر و ذمہ دار کے لئے یہ تین باتیں ضروری ہیں۔ حضرت والا، (مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ) نے جا بجا اپنے ملفوظات میں ارشاد فرمایا ہے کہ امیر کے لئے یہی تین باتیں ضروری ہیں۔ دیانت، جرأت، سیاست، بمعنی حکمت عملی۔ اور یہ تین باتیں جس میں ہوں گی وہ یقیناً مؤید من اللہ ہوگا۔ جیسا کہ ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔

﴿قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تَرُدُّ دَعْوَتَهُمْ الصَّائِمَ حَتَّى يَفْطُرُوا الْإِمَامَ الْعَادِلُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ﴾

(الترغیب والترہیب جلد ۱ صفحہ ۸۴)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کی دعاء رد نہیں کی جاتی، روزہ دار یہاں تک کہ افطار کرے اور امیر عادل اور مظلوم کی فریاد۔“

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر عادل مستجاب الدعوات ہوتا ہے تو معاملہ میں دعاء تحقیق حق کرے گا اور اس کو حق دکھلایا جائے گا لہذا وہ مؤید من اللہ ہوا۔ نیز ایک حدیث میں ہے:

﴿عَنْ عِيَّاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ ذُو سُلْطَانٍ مُقْسِطٍ مُوَفَّقٍ الْخَيْرِ﴾

”حضرت عیاض بن حمار سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ تین شخص جتنی ہیں جن میں ایک امیر صاحب سلطنت جو عادل منجانب اللہ توفیق دیا ہوا ہے۔“

حضرت والا (مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ) امیر کے لئے انہی تینوں صفات جرأت، دیانت، سیاست کو بیان فرمایا کرتے تھے۔ لیکن واقعات و حالات میں غور کرنے سے امیر و ذمہ دار کے لئے ایک صفت اور ضروری ہے اور وہ ہے تیقظ و بیداری، معاملات ماتحت کی نگرانی اور دیکھ بھال بحال بعد اعتدال رکھنا تاکہ غفلت و تغافل زوال سلطنت کا سبب نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت والا (تھانوی نور اللہ مرقدہ) فرمایا کرتے تھے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت تقریباً نو سو برس رہی لیکن آخر میں زائل ہو گئی جس کا سبب غفلت تھی اس لئے حفاظت سلطنت و حکومت کے لئے تیقظ اور بیدار مغز ہونا ضروری ہے اس پر سلف کے یہ دو واقعے شاہد عدل ہیں۔

اول: یہ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو گشت فرما رہے تھے کہ ایک مکان سے گانے بجانے کی آواز سنائی دی، آپ مکان کی پشت سے اندر داخل ہوئے کیونکہ دروازہ کھلوانے میں ان کے بھاگ جانے کا اندیشہ تھا ان لوگوں نے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو سہم گئے کہ یہ حضرت عمرؓ ہیں صاحب درہ، ان کا درہ مشہور ہے، خدا خیر کرے، لیکن ایک شخص نے جرأت کر کے کہا کہ

امیر المؤمنین ہم نے تو ایک ہی خطا کی اور آپ سے چند خطائیں سرزد ہوئیں۔ ایک یہ کہ آپ نے تجسس فرمایا اور قرآن پاک میں ہے وَلَا تَجَسَّسُوا (تجسس مت کرو) دوسری یہ کہ آپ مکان کی پشت سے داخل ہوئے اور قرآن پاک میں ارشاد ہے وَأَتُوا الْبَيْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا (گھروں میں دروازہ سے داخل ہو) تیسری یہ کہ آپ بلا اجازت غیر کے گھر میں داخل ہوئے حالانکہ قرآن پاک میں ہے لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا (غیروں کے گھروں میں بلا اجازت اور سلام کئے ہوئے مت داخل ہو) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجازات مع الخصم کا حکیمانہ طریق تربیت اختیار فرماتے ہوئے فرمایا بہت اچھا میں بھی توبہ کرتا ہوں آپ لوگ بھی تائب ہو جائیے۔ چنانچہ سب نے توبہ کر لی۔

اس واقعہ سے آپ کے تیقظ و نگرانی کے ساتھ حکمت و دانائی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اس وقت حاکمانہ اور مجادلانہ طریق نہیں اختیار فرمایا کہ اس میں بات بڑھتی بلکہ حکیمانہ طریق اختیار فرما کر بات ختم کر دی اور مقصد ”اصلاح و توبہ“ بھی حاصل ہو گیا اور یہ عین مظہریت صفت ذات باری تعالیٰ ہے کہ حق تعالیٰ حاکم ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہیں، ذمہ دار میں یہ دونوں صفیں ہونا ضروری ہیں۔ یہ تو حاضرانہ تیقظ و نگرانی کا واقعہ ہے۔

اور غائبانہ تیقظ پر یہ واقعہ شاہد ہے کہ جب آپ ملک شام کے سفر سے واپس تشریف لائے تو اس خیال سے کہ میرے پیچھے مملکت کا کیا حال رہا، مدینہ طیبہ سے باہر کہ یہی دار الخلافہ تھا ایک طرف نکل کھڑے ہوئے، چلتے چلتے ایک مقام پر پہنچے وہاں ایک جھونپڑی پر نظر پڑی جس میں ایک غریب بڑھیا رہتی تھی، آپ سلام فرما کر بڑھیا کی خیریت معلوم فرمانے لگے۔ باتوں باتوں میں پوچھا بڑی بی تم عمر کو کیسا سمجھتی ہو، بڑھیا نے جواب دیا، عمر کو پوچھتے ہو، اس سے تو اللہ بچائے، حضرت عمرؓ نے پوچھا کیوں اس میں کیا خرابی ہے؟ کہنے لگی اس نے میری کوئی خبر ہی نہیں لی، حضرت عمرؓ نے فرمایا بڑی

بی عمر تنہا آدمی کس کس کی خبر لے تم یہاں اتنی دور رہتی ہو، وہ مدینہ میں ہے، تم نے اس کو اطلاع کر کے اس کی مدد لی ہوتی، بڑھیا نے ایک آہ کھینچی اور کہا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ رعیت اپنے حال کی امیر کو اطلاع دے۔ امیر کو خود رعیت کے حال پر مطلع ہونا چاہئے اور مشرق و مغرب، جنوب و شمال میں رہنے والی رعایا کے احوال سے واقف ہونا چاہئے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنکھوں میں آنسو آگئے اور اپنے نفس کو خطاب کر کے فرمایا اے عمر تیرے علم سے تو بڑھیا کا علم زیادہ ہے، اس نے کیا عجیب اچھی بات کہی۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا بڑی بی عمر کے قصور کو معاف کر دو، بڑھیا نے کہا جا جا کیوں مذاق کرتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا بڑی بی کچھ لے کر معاف کر دو، یہ لو پچیس سکہ اور عمر کو معاف کر دو، بڑی بی نے وہ روپے لے لئے اور کہا اچھا جاؤ میں نے عمر کو معاف کر دیا۔

یہ گفتگو ہو رہی رہی تھی کہ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عمرؓ کو تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور دونوں نے بیک زبان فرمایا السلام علیکم یا امیر المؤمنین اب تو بڑھیا سن کر گھبرا گئی کہ یہی عمر ہیں، بڑھیا کا یہ حال دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا بڑی بی کچھ خیال نہ کرو تمہارا ہم پر بہت احسان ہے کہ معاف کر کے جہنم کی آگ سے نجات دلادی۔ یہ کہہ کر واپس تشریف لے آئے۔

امیر و ذمہ دار کی صفات کا خلاصہ

الحاصل تفصیل مذکور سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ امیر و ذمہ دار کے لئے متدین، جری، مدبر ہونے کے ساتھ متیقظ، حالات حکومت سے واقف ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امیر کی جو صفات بیان کی گئی ہیں کیا اس زمانہ میں ہتتم میں وہ صفات مکمل پائی جاتی ہیں، ظاہر یہ ہے کہ ان صفات کا اکثر ہتھمیں میں ملنا دشوار ہے،

جواب یہ ہے کہ پھر اہل شوریٰ میں بھی یہ صفات نہیں ہیں، جب ان میں بھی نہیں ہیں تو مہتمم کی رائے کو ہی ترجیح ہوگی کیونکہ وہ درجہ امارت میں ہے اور امیر و شوریٰ کے متعلق سابق میں تفصیل آچکی کہ امیر کی اتباع لازم ہے۔

کس امور میں مشورہ لیا جائے

آخر یہ بات بھی جاننا ضروری ہے کہ مشورہ کرنا ہر کام میں ضروری ہے یا محل مشورہ خاص امور ہیں؟

اس میں یہ تفصیل ہے کہ امور دو قسم کے ہیں منصوصہ، غیر منصوصہ، امور منصوصہ جن کا حکم شریعت میں صراحتاً موجود ہے۔ نماز، روزہ وغیرہ ان میں مشورہ کی ضرورت نہیں کیونکہ شریعت کا حکم ہوتے ہوئے کسی انسان کی طرف رجوع کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ اسی کو روح المعانی میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

﴿الْمُرَادُ بِالْأَحْكَامِ مِمَّا لَمْ يَكُنْ فِيهِ نَصٌّ شَرْعِيٌّ وَالْأَفَالُ شُورَى لَا مَعْنَى لَهَا وَكَيْفَ يَلْتَمِزُ بِالْمُسْلِمِ الْعَدُوُّ عَنْ حُكْمِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ إِلَى آرَاءِ الزَّجَالِ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾

(روح المعانی پارہ: ۲۵ صفحہ ۳۶)

”مراد ان احکام سے جن میں مشورہ کیا جاتا ہے وہ ہیں جن میں نص شرعی نہ ہو ورنہ تو مشورہ کے کوئی معنی نہیں کیونکہ مسلمان کے لئے یہ کس طرح لائق ہے کہ اللہ عزوجل کے حکم سے لوگوں کی رائے کی طرف عدول کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ حکیم و خبیر ہیں۔“

عبارت مذکورہ سے بصراحت معلوم ہو گیا کہ امور منصوصہ میں تو مشورہ جائز ہی نہیں ہے۔

اور امور غیر منصوصہ دو قسم کے ہیں ایک امور مہتمم بالشان جن میں خیر و شر، نفع و ضرر دونوں احتمال ہیں دوسرے طبعیات اور معمولی امور جیسے کھانا، پینا وغیرہ۔ پس محل مشورہ وہ امور مہتمم بالشان ہیں جن میں خیر و شر، نفع و ضرر دونوں احتمال موجود ہوں، چنانچہ روح المعانی کی ذیل کی عبارت سے اس کا پتہ چلتا ہے:

﴿وَقَدْ كَانَتْ الشُّورَى بَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَصْحَابِهِ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْحَرْبِ وَ كَذَا بَيْنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ بَعْدَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَ كَانَتْ بَيْنَهُمْ أَيْضًا فِي الْأَحْكَامِ كَقِتَالِ أَهْلِ الرِّدَّةِ وَ مِيرَاثِ الْعَجْدِ وَ عَدَدِ حَدِّ الْخَمْرِ وَ غَيْرِ ذَلِكَ﴾ (روح المعانی)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے درمیان مشورہ ایسے امور میں ہوتا تھا جو جنگ کے متعلق تھے اور اسی طرح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بھی مصالح جنگ میں مشورہ ہوتا تھا نیز بعض احکام (غیر منصوصہ) میں بھی صحابہ کے درمیان مشورہ ہوتا تھا جیسے اہل ردت سے قتال، دادا کی میراث، حد خمر کا عدد وغیرہ۔“

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ کہ احکام منصوصہ میں مشورہ جائز ہی نہیں وہ بہر حال قابل عمل ہیں الا بحالت عذر شرعی کہ شریعت نے خود ان اعدا کی تشریح کر دی ہے جو کتب فقہ میں محفوظ ہیں، دوسرے غیر منصوصہ طبعی اور معمولی امور جن میں خیر و شر دونوں پہلو نہیں ہیں، ان میں بھی مشورہ کی حاجت نہیں، تیسرے امور مہتمم بالشان و الخیر و الشر و النفع و الضرر یہ البتہ محل مشورہ ہیں ایسے ہی امور کے لئے حکومت و اداروں میں مشورہ کی

حاجت ہوتی ہے، انہی امور محتملہ للنفع والضرر میں جمع پہلو واضح ہونے کے لئے مشورہ کیا جاتا ہے و مشاور ہم فی الامر کا عمل یہی ہے رہا نفاذ کے لئے کسی ایک شق کو اختیار کرنا تو یہ امیر و مہتمم و ذمہ دار کی رائے پر موقوف ہے جیسا کہ ارشاد ہے فاذا عزمت فتو کل علی اللہ جس کا مفصلاً بیان ہو چکا۔

حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی قدس سرہ تھانوی کے

ارشادات

اب حضرت والا (مولانا تھانویؒ) کے ارشادات نقل کر کے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ:

۱۔ اجتماعی کاموں میں عقل کی بات یہ ہے کہ ایک شخص معتمد ہو اور سب اس کے ماتحت ہوں۔ (فیض الرحمن صفحہ ۳۶)

۲۔ نظام عالم اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ بعض تابع ہوں اور بعض مقبوع ہوں، بدوں اس کے قائم نہیں رہ سکتا ”اور مقبوع ایک ہی ہو“ حق تعالیٰ نے اپنے احکام نبی کے واسطے بھیجے ہیں اور تمام مخلوق پر نبی کا اتباع فرض کیا ہے تاکہ مخلوق کو کسی ایک کا تابع کیا جائے۔ تو شریعت اول ہی دن سے نبی کے اتباع کا حکم دیتی ہے جس سے تمام مخلوق کو ایک کا تابع کر دیا بلکہ اگر کسی وقت خدا تعالیٰ نے ایک زمانہ میں دو نبی بھی ایک قوم کی طرف ارسال کئے ہیں تو ان میں بھی ایک تابع تھے دوسرے مقبوع تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام ایک زمانہ میں دو نبی تھے مگر ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مقبوع تھے اور یہ تابعیت محض ضابطہ کی تابعیت نہ تھی بلکہ واقعی تابعیت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام پر پوری حکومت رکھتے تھے وہ (یعنی ہارون علیہ السلام) ان کی (یعنی موسیٰ علیہ السلام کی) مخالفت نہ کر سکتے تھے۔

حالانکہ ہارون علیہ السلام عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے مگر نبوت میں تابع تھے چنانچہ ایک واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے تکلف اپنی مقبوعیت اور ان کی تابعیت کے مقتضایہ عمل کیا، اور وہ برتاؤ کیا جو حاکم محکوم کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہارون علیہ السلام کی تابعیت محض ضابطہ کی نہ تھی بلکہ واقعی تابعیت تھی۔

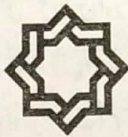
۳۔ یہ بات اصول شرع و اسلام سے ہے کہ کام دراصل ایک ہی شخص کی رائے سے ہوتا ہے۔ اور اپنی اعانت کے لئے وہ دوسروں کی بھی رائے لے لیتا ہے۔ اس مشورہ سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ معاملہ کے سب پہلو اسے مستحضر ہو جاتے ہیں، جب سب پہلو نظر میں آجاویں تو اس کا کام یہ ہے کہ ان میں سے جو پہلو خود انتخاب کر لے اسی کا حکم دیدے یہی طریق مشروع و معقول ہے۔ (دعوت تبلیغ مطبوعہ پاکستان)

پس اپنی اپنی رائے یا کثرت رائے کا اتباع نہ کرو بلکہ حکم واحد کا اتباع کرو۔

(اصلاح صفحہ ۱۸۰، غایۃ النجاح)

الحمد للہ تعالیٰ حق تعالیٰ کی توفیق اور حضرت والا کی برکت سے مسئلہ اہتمام و شوری کے متعلق رسالہ پورا ہو گیا، حق تعالیٰ اس کو مقبول اور نافع بنائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین



مشورہ کے وقت کی دعائیں

کسی بھی اہم کام کے متعلق مشورہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾

”اور ان سے مشورہ لے کام میں۔“ (آل عمران: ۱۵۹)

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ہر کام کو مشورے سے کیا کرے اور جس سے مشورہ طلب کیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ مشورہ دے، مشورہ کا اہتمام ہر کام میں کریں چاہے کوئی اجتماعی مسئلہ ہو یا انفرادی مثلاً مکان خریدنا ہے، یا دکان خریدنی ہے یا رشتہ ڈالنا ہے یا رشتہ کا جواب دینا ہے، الغرض کوئی بھی کام ہو تو گھر کے تمام افراد مل کر مشورہ کر لیں، اسی طرح کوئی انفرادی یا ذاتی مسئلہ ہو، کوئی پریشانی ہو، کسی بات میں کوئی راہ نہ دکھائی دے تو دیندار تجربہ کار رازدار لوگوں سے مشورہ کر لیں، ایسا کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ ہر پریشانی کا حل بھی سمجھ میں آجائے گا اور غم بھی ہلکا ہو جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی پہلی پہلی مرتبہ اترنے پر طبیعت پر جو بوجھ محسوس فرما رہے تھے تو اگر اپنی زوجہ مطہرہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مشورہ کیا جس سے بہت ہی تسلی ہوئی اور غم ہلکا ہو گیا، اسی طرح صلح حدیبیہ کے وقت جب سب مسلمان پریشان تھے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مشورہ کیا اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مبارک رائے اس موقع پر مسلمانوں کو بہت بڑی پریشانی سے بچانے کا ذریعہ بن گئی، لہذا ہر معاملہ میں مشورہ ضرور کر لینا چاہئے اس لئے کہ مشورہ کے کئی فوائد ہیں، مثلاً سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ گھروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کی سنت زندہ ہوگی،

اور جہاں سنت زندہ ہوتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو نازل فرماتے ہیں۔ دوسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ گھر کے افراد اور متعلقین اور دوست احباب میں آپس میں محبت قائم ہوگی ہر ایک یہ سمجھے گا کہ میرا بھی ایک مقام و اہمیت ہے اس لئے تو مجھ سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے۔ اور سب کے دل آپس میں جڑے ہوئے ہوں گے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ فیصلہ کسی فرد واحد کا فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ ایک اجتماعی فیصلہ ہوگا، لہذا اگر خدا نخواستہ کل کو وہ کام جس کے متعلق مشورہ کیا گیا ہے باعث نقصان ہوا تو کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ ہم سے تو پوچھا ہی نہیں پوچھ لیتے تو ایسا نہ ہوتا، وغیرہ وغیرہ۔

مشورہ کرتے وقت مندرجہ ذیل آداب کا خوب خیال رکھا جائے بلکہ ہر مشورہ سے پہلے ان کو بیان بھی کیا جائے تاکہ یاد دہانی ہو۔

① مشورے کا ایک امیر مقرر ہو جو سب سے باری باری مشورہ لے اور آخر میں سب کی رائیوں کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ کرے، جب امیر فیصلہ کر لے تو سب کو چاہئے کہ وہ اس پر راضی رہیں۔

② ہر شخص اپنی باری سے مشورہ دے جب تک اس سے مشورہ طلب نہ کیا جائے مشورہ نہ دے، اور جب مشورہ طلب کیا جائے تو خوب سوچ سمجھ کر اور انتہائی وقار سے اپنی رائے پیش کرے اور پھر خاموش ہو کر دوسروں کی آراء خوب غور سے سنے اور اگر اس درمیان پھر کچھ بات یاد آجائے یا کسی کی رائے کا کوئی کمزور پہلو سامنے آجائے تو فوراً نہ بولے بلکہ اجازت لے کر آخر میں جب سب اپنی اپنی رائے دے چکیں اپنی بات بیان کر دے۔

③ کسی دوسرے کی رائے کو کاٹنا نہ جائے البتہ اپنی رائے کو مؤکد کرنے کے لئے اس کا فائدہ اور اس کی حکمت ضرور بیان کر لے، لیکن کسی کی رائے سامنے آنے کے بعد یہ نہ کہے کہ نہیں یہ صحیح نہیں، یا یہ نہیں ہو سکتا، یہ تو سمجھ نہیں آ رہا، بلکہ یہ

کہے کہ یہ اس کی رائے ہے اللہ اس میں خیر ڈالے، میری رائے یہ ہے۔

۴ ہر شخص رائے کو رائے سمجھ کر دے فیصلہ سمجھ کر نہ دے کہ ایسا ہی ہو گا بلکہ اگر کسی کی رائے پر فیصلہ ہو جائے تو وہ اللہ سے اس کام کی اصلاح کے لئے دعائیں کرتا رہے اور استغفار کرتا رہے، اور جس کی رائے پر فیصلہ نہ ہو وہ اسی میں بہتری سمجھے، اور دوسرے کو مناسب نہیں کہ وہ اس شخص کی رائے پر طعن و تشنیع کرے۔

۵ اللہ نہ کرے اگر مشورہ کے بعد کوئی آزمائش آئے تو یہ نہ کہے کہ میں نے تو پہلے کہا تھا..... دیکھو تم نے میری بات نہ مانی اگر میری بات مان لیتے تو یہ نہ ہوتا..... وغیرہ، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ:

”لفظ ”اگر“ شیطان کا دروازہ کھولتا ہے۔“ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۳۵۲)

لہذا یہ نہ کہے اگر میری رائے پر فیصلہ ہو جاتا تو یہ نہ ہوتا، اگر یوں کر لیتے تو یوں نہ ہوتا بلکہ یوں کہے مَا قَدَّرَ اللَّهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ جو کچھ اللہ نے مقدر کیا تھا وہی ہوا اور بہتر ہوا اس کے ساتھ ساتھ ان مندرجہ ذیل دعاؤں کا اہتمام کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس مشورہ میں خیر و برکت ڈالے اور شیطان کے شر سے بچائے۔

اللَّهُمَّ اَلْهِنَا مَرَاثِدَ اَمُورِنَا وَ اَعِزَّنَا مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا

”اے اللہ! ہمارے مقدر کی بھلائی ہمارے دلوں میں ڈال دے اور ہم کو ہمارے نفس کی بدی سے بچالے۔“ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَ اَسْتَهِدُّكَ لِمَرَاثِدِ اَمْرِیْ - وَ اَسْتَجِیْرُكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ وَحْدَیْ

”اے اللہ! میں تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کا طالب ہوں اور اپنے معاملہ میں کامیابی کی راہوں کی ہدایت مانگتا ہوں اور اپنے نفس کے شر سے

تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں تو میری توبہ قبول فرمالے کیونکہ یقیناً تو ہی میرا پروردگار ہے۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۶ صفحہ ۳۴)

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ اهْدِنِی السَّبِیْلَ الْاَقْوَمَ

”اے اللہ بخش دے اور رحم فرما دے اور سب سے صحیح راستہ نصیب فرما۔“ (مسند احمد حدیث نمبر ۱۲۵۳۳ الحزب الاعظم صفحہ ۸۳)

اللَّهُمَّ قِنِّیْ شَرَّ نَفْسِیْ وَ اعْزِمْنِیْ عَلَیْ اَرْشَدِ اَمْرِیْ

”اے اللہ مجھ کو میرے نفس کے شر سے بچا اور مجھ کو میری ہدایت کے کاموں کے کرنے کی ہمت بخش دے۔“

(مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۴۳، کنز العمال جلد ۱۳ صفحہ ۳۵۶)

اللَّهُمَّ اِنْ قُلُوْبَنَا وَ نَوَاصِبِنَا وَ جَوَارِحَنَا بِيَدِكَ لَمْ تَمْلِكْنَا مِنْهَا شَيْئًا فَاِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ بَنَّا فَكُنْ اَنْتَ وَلِيْنَا وَ اهْدِنَا اِلَى سَوَاءِ السَّبِیْلِ

”اے اللہ ہمارے دل ہماری پیشانیاں اور ہمارے سب اعضاء تیرے ہی ہاتھ میں ہیں ان میں سے کسی کا تو نے ہم کو مالک نہیں بنایا ہے، پھر جب تو نے ہم کو ایسا بے بس پیدا فرمایا ہے تو اب تو ہی ہمارا کارساز بن جا اور ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما۔“

(علیہ الاولیاء جلد ۱ صفحہ ۹۹، کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۹۳)



اقیموا الصلوة ولا تكونوا من المشركين (القرآن الکریم روم ۳۱)

مُعَدَّلُ الصَّلَاةِ

تالیف

العلامة الشيخ محمد الآفندی الرومی البرکلی لاصوفی الحنفی

توفی ۹۸۱ھ

ولد ۹۲۹ھ

ترجمہ

مولانا فضل الرحمن الاعظمی

خادم العلوم والطلبہ آزادول جنوب افریقیا

اس کتاب میں مصنفؒ نے نماز میں اطمینان کرنے کو خاص طور سے رکوع کے بعد قومہ میں اور دونوں سجودوں کے درمیان جلسہ میں اطمینان کرنے کو بڑے مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے اور اس میں کوتاہی کرنے سے جو خرابیاں لازم آتی ہیں ان کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے، علامہ ابن عابدین نے اس کتاب کے مطالعہ کی طرف فتاویٰ شامیہ میں توجہ دلائی ہے، نہایت اہم کتاب ہے، اس سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے، اور اپنی نماز کو درست کرنے کی فکر کرنی چاہئے، قیامت کے دن سب سے پہلا سوال نماز ہی کے متعلق ہوگا، افادۂ عام کے لئے عربی عبارت کے ساتھ اردو ترجمہ بھی لکھا گیا ہے تاکہ عام اردوخوان مسلمان بھی فائدہ اٹھا سکیں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
NEW DELHI-110002